اعتقادی مسائل

کے بارے میں استاد شہیدمطہری سے ۱۱۰ سؤال

مقدمہ :

جوان کسی بھی معاشرے کے اہم ارکان شمار ہوتے ہیں ۔ ملکِ ایران انہی جوانوں کے سہارے اور خداوند متعال پر

توکل کرتے ہوئے اس بات پر قادر ہوا ہے کہ دشمنانِ اسلام کے مد مقابل کھڑا ہو جائے ۔ ایران کے وہ غیور جوان ، جنہوں نے قرآن و سنت سے ارتباط کو مدنظر رکھتے ہوئے ، ہمیشہ ہر کام میں کامیابی اور قدرت کے ساتھ آگے بڑھے ہیں اور ان کی نگاہیں مستقبل پر ہیں ۔

جب اسلامی جمہوریہ ،شاہ ایران کے مقابلے میں کامیاب ہوا تو تمام نگاہیں ہماری جانب متوجہ ہوئیں کہ یہ جوان کیسے گولیوں کی بارش کے سامنے بہادری اور دلیرانہ انداز سے کھڑے رہے اور باعظمت انداز میں کامیاب ہوئے ۔

اور آج کل جب دنیا کی طاقتیں اس بات پر پہنچ گئیں کہ بندوق اور گولیوں سے ہمارا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تو ثقافتی اور نرم جنگ چھیڑنے کی فکر میں پڑ گئے ۔ اب حکام کے لئے ضروری ہے کہ وہ دشمن کے اس حملہ کے مقابلے میں بھی ایک مضبوط محاذ قائم کریں اور اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ جوان جتنا زیادہ ہو سکے اعتقادی مسائل اور دین مقدس اسلام کی معرفت حاصل کریں کیونکہ جو قرآن اور سنت سے اُنس رکھتا ہو وہ کبھی بھی دشمنوں سے دوستی نہیں کرے گا ۔ وہ دِل جو خدا و رسول کی جگہ ہوں کوئی بھی انہیں قید نہیں کر سکتا ۔ جوانوں کو

چاہیے کہ وہ اصول و فروع دین کا علم حاصل کریں ۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ اُن کی زندگی کا ہر ہر لمحہ لکھا جا رہا ہے ۔

انسان سے جو عمل بھی صادر ہوتا ہے اسے اس کا جواب دینا ہو گا ، ہر کام میں خدا کو مدنظر رکھنا ہو گا ۔ اگر جوان اپنے دینی اور اسلامی راہنماؤں کو ، جو رسول خدا اور آئمہ اطہار ہیں ، کی جانب پلٹیں ، تو وہ الہی جوان ہیں اور قرآن اُن کے اعمال و کردار میں شامل ہے ۔ پرہیز گاری اور تقوا ، پرستش اور عبادت ، دنیا سے دوری اور زہد ، تمام کی تمام اس سرحد اور وطن کے بیٹوں کی نشانیاں ہیں ۔

جوانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ انسان کی ساری زندگی صرف اسی دنیا میں نہیں بلکہ ہم موت کے بعد ایک اور دائمی زندگی کی طرف جانے والے ہیں ،لہذا بہتر ہے کہ اس دنیا کو ایک کھیتی کی حیثیت سے دیکھا جائے جس میں نیکیاں کاشت کی جائیں تا کہ آخرت میں اُن سے فائدہ حاصل کیا جائے . ہم رسول خدا اور آئمہ اطہار کے مکتب میں ایمان اور فداکاری کا درس لیتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں ۔ اور ہمیں فخر ہے کہ ایک بہادر

اور فداکار رہبر ، اسلامی معاشرہ کی باگ ڈور سنبھالے
ہوئے ہے اور جوانوں کو اہمیت دیتا ہے ۔
ہم نے اِس کتاب میں تقوا اور پرہیزگاری کے متعلق بحث کی اور آیت اللہ مطہری سے اپنے کچھ سوال پوچھے ۔ ان سوالوں کے جوابات آیت اللہ مطہری کی کتاب "دہ گفتار " سے حاصل کیے گئے ہیں ۔

سوال نمبر ١ ۔ برائے مہربانی تقویٰ کے معنیٰ و مفہوم کے بارے میں وضاحت فرمائیں ؟

یہ لفظ دین کے مشہور اور رائج الفاظ میں سے ہے ۔ قرآن پاک میں اسم یا فعل کی شکل میں زیادہ استعمال ہوا ہے ۔
تقریباً جتنا ایمان اور عمل کا نام آیاہے یا نماز اور زکات کا ذکر ہوا اتنا ہی یا اس سے بھی زیادہ بار تقوا کا نام استعمال ہوا ہے ۔
نہج البلاغہ میں بھی جن کلمات پر زیادہ زور دیا گیا، تقوا اُن میں سے ایک ہے ۔ نہج البلاغہ میں ایک طویل خطبہ ہے کہ جس کا نام خطبہ متقین ہے ۔ یہ خطبہ امیر المؤمنین نے اُس شخص کی خواہش پر بیان فرمایا کہ جس نے آپ سے متقین کی صفات کو تجسمی صورت میں بیان کرنے کو کہا ۔
امام نے پہلے انکار کیا اور تین چار جملوں کے ذکر کو

کافی سمجھا لیکن اُس شخص نے ،جس کا نام ھمام بن شریح تھا اور جو ایک آمادہ اور متحرک شخص تھا قانع نہ ہوا اور اپنی طلب میں اصرار اور ضد کی ۔ امیر المؤمنین نے بولنا شروع کیا اور متقین کی معنوی خصوصیات اور فکری ، اخلاقی اور عملی شمائل کی سو سے زیادہ صفات کے بیان اور سو سے زیادہ مصوری کی تصویر کھینچنے کے ساتھ اپنے کلام کو تمام کیا.

مؤرخین نے لکھا کہ جونہی امام علی کی بات ختم ہوئی ھمام نے ایک چیخ ماری ،مراد یہ ہے کہ یہ لفظ دین کے معروف و مشہور الفاظ میں سے ہے ۔ عام لوگوں کے درمیان بھی یہ لفظ بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے ۔ یہ کلمہ" وقی " کے مادہ سے ہے کہ جس کا مطلب حفاظت اور بچانا اور نگہداری ہے ، اتقاء کا معنی " حفاظت کرنا " ہے لیکن اب تک یہ نہیں دیکھا گیا کہ اس لفظ کا معنی فارسی زبان میں حفاظت اور نگہداری کیا گیا ہو فارسی تراجم میں اگر یہ کلمہ اسمی حالت میں ہو جیسے خود کلمہ تقوا یا متقین تو پرہیزگاری ترجمہ ہوتا ہے ۔

مثلاً " ھدی للمتقین " کے ترجمہ میں کہا جاتا ہے : ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے اور اگر فعل کی حالت میں استعمال ہو

خصوصاً اگر فعل امر ہو اور اس کا متعلق بھی ذکر ہو تو ڈر اور وحشت میں ترجمہ ہوتا ہے مثلاً " اتّقوااللہ یا اتّقوا النار " کے ترجمہ میں کہا جاتا ہے کہ : خدا سے ڈرو البتہ کسی نے یہ دعوی نہیں کیا کہ تقوی کا معنی ڈر یا وحشت یا پرہیز و اجتناب ہے کیونکہ یہ دیکھا گیاہے . کہ خود کو کسی سے بچانے کا لازمہ پرہیز اور ترک ہے اور اسی طرح غالباً نفس کی کچه کاموں سے حفاظت اور اسے بچانا ، اُن کاموں سے خوف کے ساته ملا ہوا ہے . یہ خیال کیا گیا ہے کہ یہ کلمہ بعض جگہوں پر مجازاً پرہیز اور بعض دوسری جگہوں پر ڈر اور وحشت کے معانی میں استعمال ہوا ہے .

سوال نمبر٢ . برائے مہربانی تقوا کے حقیقی معنی کے بارے میں تفصیل بیان فرمائیں .

جواب :اگرچہ کوئی ممانعت نہیں ہے کہ یہ کلمہ مجازاً پرہیز یا خوف کے معانی میں استعمال ہو . مگر دوسری طرف اس بات پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جو تائید کرے کہ اس کلمہ سے ایک مجازی معنی جیسے ڈر یا پرہیز مراد لئے گئے ہیں. کس دلیل کی بنا پر کہا جائے کہ اتقوااللہ کا معنی ہے خدا سے ڈرو اور اتقواالنار کا معنی ہے کہ آگ سے ڈرو ؟ بلکہ اس طرح کے جملات کا معنی یہ ہے کہ خودکو آگ

کے نقصانات سے بچاؤ اور یا اپنے آپ کو خدا کے عذاب کے نقصانات سے محفوظ کرو ۔

اس بنا پر کلمہ تقوا کا صحیح ترجمہ خود کو بچانا ہے جو وہی نفس کو کنٹرول کرنا ہے اور متقین یعنی اپنے آپ کو بچانے والے ۔ [1]

راغب اصفہانی کہتا ہے : ’’ الوقایۃ حفظ الشیء مما یؤذیہ ، والتقوی جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف ، ھذا تحقیقہ ثم یسمی الخوف تارۃ تقوی و التقوی خوفا ۔ حسب تسمیۃمقضی الشیء بمقتضیہ والمقتضی بمقتضاہ و صار التقوی فی عرف الشرع حفظ النفس مما یوثم و ذلک بترک المحظور‘‘ [2]

یعنی وقایۃ کا مطلب کسی چیز کو ہر اُس شی سے بچانا جو اُسے نقصان پہنچائے اور تقوا یعنی نفس کو جس سے خطرہ ہو اس سے بچانا .

خلاصہ مطلب یہی ہے ، لیکن کبھی قانون استعمال لفظ مسبب ، سبب کی جگہ پر اور لفظ سبب کا استعمال مسبب کی جگہ پر ، خوف تقوا کی جگہ پر اور تقوا خوف کی جگہ پر

---

[1] .راغب اصفہانی ، مفردات مادہ وقی

[2] . ایضا

استعمال ہوتا ہے ۔ عرف شرع میں تقوا یعنی نفس کا بچانا اس چیز سے کہ جو انسان کو گناہ کی طرف راغب کرے تا کہ ممنوعات اور محرمات کو ترک کرے ۔ راغب صریحاً کہتا ہے کہ تقوا یعنی اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور وہ کہتا ہے کہ کلمہ تقوا کا استعمال خوف کے معنی میں مجازی ہے البتہ یہ تصریح نہیں کرتا کہ ایسی جگہ پر " اتقوااللہ " کامجازی معنی مراد ہے اور جس طرح کہ ہم نے کہا کہ کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جو ثابت کرے کہ ایسے جملوں میں تقوا مجازی طور پر استعمال ہوا ہے ۔ جو چیز سب سے زیادہ عجیب لگتی ہے وہ یہ ہے کہ اس لفظ کا فارسی ترجمہ پرہیزگاری ہے ، یہ نہیں دیکھا گیا کہ اب تک اہل لغت میں سے کسی نے یہ دعوی کیا ہو کہ یہ لفظ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے ،جیسے کہ ہم نے دیکھا کہ راغب نے اس کلمہ کے خوف کے معنی میں استعمال ہونے کو تو بیان کیا لیکن پرہیز میں استعمال ہونے کو ذکر نہیں کیا ۔ معلوم نہیں کہ کہاں سے اور کس وقت اور کس وجہ سے فارسی ترجمہ میں یہ کلمہ پرہیزگاری کے معنی میں ترجمہ ہوا ؟

میں سمجھتا ہوں کہ صرف فارسی زبان لوگ ہی ہیں جو اس کلمہ سے پرہیز اور بچانے کا معنی سمجھتے ہیں ۔ قدیم یا

جدید میں سے کوئی عربی زبان بھی اس کلمہ سے یہ مفہوم نہیں سمجھتا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عمل کے دوران تقوا اور نفس کو کسی چیز سے محفوظ رکھنے کا نتیجہ اُس چیز کا ترک اور اس سے بچنا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تقوا کا معنی وہی ترک ،پرہیز اور بچنا ہو ۔

سوال نمبر ۳ ۔ برائے مہربانی فرمائیے کہ خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے ؟ کیا خدا ایک ڈراؤنی چیز ہے ؟

جواب : چونکہ خوف خدا کی بات ہوئی تو اس نکتہ کی یاددہانی کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ بعض افراد کے لئے یہ سوال پیدا ہو کہ خدا سے ڈرنے کا کیا مطلب ؟ کیا خدا کوئی ڈراؤنی یا وحشتناک چیز ہے ؟ خداوند تو کمال مطلق ہے اور سزاوار ترین ھستی ہے کہ جس سے انسان محبت کرے اور اسے دوست رکھے ،پس کیوں انسان خدا سے ڈرے ؟

اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بات بالکل ایسے ہی ہے خدا کی ذات ڈر اور خوف کا باعث نہیں ، لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو یعنی عدل الہی کے قوانین سے ڈرو ۔ دعا میں آیا ہے کہ : ((یا من یرجی الا فضلہ و لا یخاف الا عدلہ)) اے وہ کہ جس سے امیدکرنا، اُس کے فضل و احسان سے امید کرنا ہے اور جس سے ڈر اُس کی عدالت

سے ڈر ہے اور اسی دعا میں ہے کہ ((جللت ان یخاف منک الا العدل ، و ان یرجی منک الا الاحسان والفضل)) تو پاک و پاکیزہ ہے اس سے کہ سوائے تیرے عدل کے تجه سے ڈرا جائے ۔ عدل و انصاف بذات خود کوئی وحشتناک اور ڈراؤنا کام نہیں جو عدال سے ڈرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ سے ڈرتا ہے. مؤمن ہمیشہ خوف و رجاء ہر دو کے امیدوار ہیں ، اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمن ہمیشہ نفس امارہ کی سرکشی اور اپنے سرکش رجحانات سے خائف ہو تا ہے اور وہ نفس کو عقل و ایمان کے ذریعہ اسے مہار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ کی ذات پر اعتماد و اطمینان اور امید رکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اُس کی مدد کرے گا ۔

علی بن الحسین دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں کہ : ((مولای اذا رآیت ذنوبی فزعت و اذا رآیت کرمک طمعت)) یعنی جب بهی میں اپنی خطاؤں کی طرف توجہ کرتا ہوں تو ڈر اور خوف مجهے لپیٹ لیتا ہے اور جیسے ہی تیرے کرم کو دیکهتا ہوں تو امیدوار ہو جاتا ہوں ۔

سوال نمبر ۴: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا انسان بننے کے لئے تقوا اور پرہیزگاری ضروری ہے ؟

جواب : جو مطالب تقوا کی لغت میں بیان کیے گئے اس سے کسی حد تک اسلام کی نظر میں تقوی کی حقیقت اور معنی کو سمجھا جا سکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ دینی اور اسلامی کتب میں اس کلمہ کے استعمال کے مقامات کی جانب زیادہ توجہ کی جائے تاکہ واضح ہمارے لیے واضح ہو سکے کہ تقوی کیا ہے ۔ ایک تمہید ذکر کرتا ہوں کہ اگر انسان یہ چاہے کہ زندگی میں کچھ اصولوں کی پاسداری کرے اور ان کی پیروی کرے اب چاہے وہ اصول دین و مذہب سے لئے گئے ہوں یا کسی اور جگہ سے ، تو لازمی ہے کہ وہ ایک معین راستہ رکھتا ہو اور اس کے کاموں پر بدنظمی حاکم نہ ہو، ایک خاص راستہ کا حامل ہونا اور ہم عقیدہ و ہم مسلک ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی ہدف کی جانب حرکت کی جائے اور اُن کاموں سے کہ جو لمحہ کی ہوس و خواہش کے تو موافق ہوں لیکن اُن اصولوں کے خلاف ہوں جو اس نے اپنی زندگی کے لئے بنائے ہیں تو ایسی صورت میں اسے ان مختصر وقت کی لذت اور ہوس سے چشم پوشی کرنا ہو گی تاکہ وہ اپنے اصولوں کی پاسداری کر سکے اور خود کو بچائے رکھے . اس بنا پر تقوا ، عام معنی کے حوالے سے ہر اُس فرد کی زندگی کے

لئے ضروری ہے جو چاہتا ہے کہ انسان بنے اور عقل کے تابع ہو کر زندگی بسر کرے اور پھر اپنے معینہ اصولوں کی پیروی کرے ۔

سوال نمبر ۵ : دینی اور الہی تقوا کی تعریف بیان کریں ؟

دینی اور الہی تقوا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اُن چیزوں سے جو دین نے اس کی زندگی کے لیے معین کی ہیں اور اُن اصولوں کو کہ جنہیں دین نے معین کیا ہے ، ان سے عدولی کرنا اس کی نگاہ میں خطا و گناہ اور پلیدی و برائی شمار ہوں ،اور وہ ان ممنوعہ احکام سے محفوظ رہے اور اُن کا ہرگز مرتکب نہ ہو ۔ اہم بات یہ کہ وہ خود کو ہر اس گناہ سے بچاتا رہے کہ جو تقوی کے منافی ہے . اور ایسا کرنا دو صورتوں اور شکلوں میں ممکن ہو سکتا ہے ،یادوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ہم دو قسم کا تقوا رکھ سکتے ہیں : وہ تقوی کہ جو ضعیف ہے اور دوسرا وہ تقوی کہ جو قوت رکھتا ہے ۔ پہلی قسم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہوں کی آلودگیوں سے بچانے کے لئے اُن کے اسباب سے فرار کرے اور خود کو ہمیشہ گناہ کی فضا سے دور رکھے ۔بالکل ایسے ہی جیسے کوئی اپنی صحت و سلامتی کے لئے کوشش کرے کہ خود کو امراض ، آلودہ

فضا اور بیماری کے منتقل ہونے کے اسباب سے دور رکھے اور کوشش کرے کہ مثلا اگر کہیں ملیریا سے آلودہ فضا ہے تو اس کے نزدیک نہ ہو اور جو وبائی بیماریوں میں مبتلا ہیں ان سے میل جول نہ رکھے . جبکہ دوسری قسم یہ ہے کہ اپنی روح میں وہ قوت اور حالت پیدا کرے کہ جو اس کی اخلاقی اور روحانی حفاظت کے لیے ممد و معاون ثابت ہو تاکہ اگر بالفرض ایسی فضا میں پہنچ جائے کہ جہاں گناہ اور معصیت کے اسباب فراہم ہوں تو اسکی وہ حالت اور روحانی کیفیت اُس کی حفاظت کرتی رہے اور آلودگی کے جنم لینے سے سد باب کر سکے جیسے کہ کوئی طبی لحاظ سے اپنے بدن پر کوئی ایسا حفاظتی کام کرے کہ جس سے فلان مرض کے جراثیم بدن پر اثر انداز نہ ہو سکیں جیسے بعض بیماریوں کی روک تھام کے لیے خاص قسم کے ویکسین لگائے جاتے ہیں -

سوال نمبر ۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا کے معانی میں سے ایک گناہ اور معصیت سے دوری بھی ہے ؟

جواب : ہمارے زمانے میں عام لوگ تقوا سے مراد پہلی قسم کو ہی لیتے ہیں اگر کہا جائے کہ فلان آدمی باتقوا ہے یعنی

ایک محتاط انسان ہے کہ جس نے تنہائی اختیار کر رکھی ہے اور خود کو گناہ کے اسباب سے دور کیے ہوئے ہے ۔ یہ تقوا کی وہی قسم ہے کہ جسے ہم نے ضعیف کہا ہے ۔ اس خیال کے پیدا ہونے کا سبب شاید یہ ہو کہ آغاز سے ہی تقوا کا ترجمہ پرہیزگاری اور دوری ہوا ہے اور تدریجی طور پر یہ معنی گناہ سے پرہیز ، آلودہ فضا اور اسباب گناہ سے پرہیز میں تبدیل ہو گیا اور آہستہ آہستہ یہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ عام لوگوں کی نظر میں کلمہ تقوا تنہائی اور اجتماع سے دوری کا معنی دینے لگا ، عمومی محاوروں میں جب یہ کلمہ سُنا جائے تو ایک ایسی حالت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ جس میں حالت تنہائی ، پیچھے پلٹنا اور عقب نشینی ہو ۔

سوال نمبر ۷: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ ایک انسانی اور عقلی زندگی کانتیجہ کیا ہے ؟

جواب : انسان کے عقلی اور انسانی زندگی بسر کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ خاص اصولوں کے تابع ہو اور ان خاص اصولوں کی پیروی کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اُن امور سے کہ جو اُس کی ہوا و ہوس کے مطابق ہوں لیکن اُس کے ہدف اور زندگی کے اصولوں کے خلاف ہوں تو وہ ان سے

اجتناب کرے لیکن ان سب باتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان سماج اور اجتماعی زندگی سے دور ہو جائے بلکہ بہترین راستہ یہ ہے کہ جس پر بعد میں دینی کتب سے شاہد بھی لے کر آئیں گے ، کہ انسان اپنی روح میں ایسی کیفیت اور حالت کو ایجاد کرے جو اس کی حفاظت کرسکے ۔

بعض اوقات ہماری منظوم یا منثور فارسی ادب یہ بات دیکھی گئی ہے کہ جس میں کچھ لوگوں نے تقوا کو اسی پہلی حالت کہ جو ضعیف ہے بیان کیا ہے ۔

یہ وہی تقوا اور تحفظ کی قسم ہے کہ جو اس کے باوجود کہ ضعیف اور کمزور حالت کی بیان گر ہے اور اس میں اسی بات پر تاکید ملتی ہے کہ انسان بھٹکنے کے مقامات سے دوری اختیار کرے اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ کمال تو یہ ہے کہ بھٹکنے کا ماحول ہو اور انسان اس ماحول میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے .

سوال نمبر ۸ : یہ فرمائیے کہ کیا گناہ نہ کرنے کے لئے اپنی آنکھ کو ضایع کر دینا چاہیے ؟

جواب : کیا راہِ حل یہی ہے کہ اپنی آنکھ کو ضایع کر دیں ؟ یا یہ کہ کوئی اس سے بہتر راہ بھی ہے اور وہ یہ کہ دل میں قوت اور طاقت پیدا کی جائے تاکہ آنکھ دل کو اپنے

پیچھے نہ کھینچ سکے ۔ اگر اس کا راہ حل یہی ہو کہ دل کی آنکھ سے آزادی و رہائی کے لئے فولاد سے خنجر بنانا ہے تو ایک اور خنجر کانوں کے لئے بھی بنانا ہو گا کیونکہ جو چیز کان سنتے ہیں دل اسے بھی یاد کر لیتا ہے اور اسی طرح چکھنے ، چھونے اور سونگھنے کے لئے بھی ۔ اُس وقت انسان پھر اپنی حیثیت کھو بیٹھے گا اور جس مقام کا وہ لائق ہے اس تک ہر گز نہیں پہنچ پائے گا ۔

سوال نمبر۹: گناہ اور معصیت سے بچنے کے لئے کیا کریں ؟

جواب : اخلاقی کتابوں میں بعض اوقات ایسے قدیم علماء کے گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو اپنے مُنہ میں پتھر رکھ لیتے تھے تاکہ زیادہ نہ بولیں اور حرام یا لغو باتوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں ، یعنی اپنے اوپر عملی لحاظ سے اجبار کیا کرتے تھے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ایسے عمل کو ایک مکمل تقوا کا نام دیا جاتا ہے ، جبکہ گناہ سے بچنے اور اسے ترک کرنے کے لئے عملی اجبارِ کوئی کمال شمار نہیں ہوتا ۔ اگر ایسے کام کی توفیق پیدا ہو جائے اور اس طرح ہم گناہ کے ارتکاب سے بچ جائیں تو یہ ٹھیک کہ ہم نے

گناہ سے پرہیز کر لیا لیکن ہمارا نفس ابھی تک وہی اژدھا ہے کہ جو پہلے تھا صرف وہ ناکارہ ہونے سے غمگین ہے ۔ کمال اُس وقت کہلاتا ہے کہ انسان بغیر اس کے کہ خود کو مجبور کرے ایسے کام کے اسباب اور اوزار رکھتا ہو کہ جس سے وہ گناہ اور معصیت سے پرہیز کرسکے ۔ اس طرح کا پرہیز اور دوری اگر کمال کہلائیں بھی تو صرف مقدماتی طور پر ہے کہ پہلے مرحلہ میں تقوا کی عادت پیدا کرنے کے لئے ممکن ہے اسے وجود میں لایا جائے ۔

کیونکہ تقوا کی عادت ایک سخت مشق اور تمرین کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے لیکن تقوا کی حقیقت ان کاموں سے ہٹ کر ہے . تقوا کی حقیقت وہی قوی اور پاکیزہ کمال ہے کہ جو خود انسان کی حفاظت کرتا ہے ۔ لازم ہے کہ کوشش کی جائے تا کہ وہ حقیقت و معنویت پیدا ہو جائے ۔

سوال نمبر ۱۰ : سرکش نفس کو کیسے مطیع اور فرمانبردار کیا جائے ؟

جواب: دینی کتب اور بالخصوص نہج البلاغہ میں جہاں حد سے زیادہ کلمہ تقوا کا ذکر ہوا ہے وہاں تمام مقامات پر تقوا اُس مقدس صفت اور کیفیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ جو روح میں پیدا ہوتی ہے اور روح کو قدرت اور

طاقت عطا کرتی ہے کہ وہ نفس امارہ اور بے مہار جذبات کو فرمانبردار کرسکے .

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام خطبہ نمبر ۱۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں : ((إِنَّ تَقْوَي اللهِ حَمَتْ أَوْلِيَاءَ اللهِ مَحَارِمَهُ، وَأَلْزَمَتْ قُلُوبَهُمْ مَخَافَتَهُ، حَتَّي أَسهَرَتْ لَيَالِيَهُمْ، وَأَظْمَأَتْ هَوَاجِرَهُمْ;)) یعنی خدا کا تقوی ، خدا کے دوستوں کو اپنی حمایت میں قرار دیتا ہے اور انہیں الٰہی محرمات کی حرمت سے بڑھنے سے روکتا ہے اور خوف خدا کو اُن کے دلوں کے ساتھ ملا دیتا ہے یہاں تک کہ اُنہیں راتوں کو بیدار رکھتا ہے اور اُن کے دنوں کو پیاس (روزہ کی پیاس) کے ساتھ ملا دیتا ہے ۔ اِن جملات میں پوری وضاحت کے ساتھ تقوا کو اسی معنوی اور روحانی حالت سے یاد کیا گیا ہے جو گناہ سے انسان کو محفوظ رکھے اور خدا سے ڈرنے کو تقوا کے نتائج میں سے ایک نتیجہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ تقوا کا معنی ڈر نہیں بلکہ تقوا کے اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ خوف خدا کو دل کو ساتھ ملا دیتا ہے ۔ ابتدائے کلام میں کہا تھا کہ " اتقوااللہ " کا معنی یہ نہیں کہ خدا سے ڈرو ۔

سوال نمبر ۱۱ : کیا گزرے ہوؤں سے عبرت لینا گناہ سے بچنے میں ہماری مدد کر سکتا ہے ؟

جواب : امیر المومنین علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۶ میں فرماتے ہیں : ((ذِمَّتي بِمَا أَقُولُ رَهِينَةٌ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ. إِنَّ مَنْ صَرَّحَتْ لَهُ العِبَرُ عَمَّا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ المَثُلاتِ، حَجَزَتْهُ التَّقْوَي عَنْ تَقَحُّمِ الشُّبُهَاتِ)) یعنی میں اپنا ذمہ اپنے گفتار کے تحت قرار دیتا ہوں اور اپنے گفتار کی سچائی کی ضمانت دیتا ہوں اگر کسی شخص کے لئے ماضی کی عبرتیں آئندہ کا آئینہ بنیں تو تقوا اسے خطرناک کاموں میں گھسنے سے روک لیتا ہے ، یہاں تک کہ فرماتے ہیں : ((ألاَ وَإِنَّ الْخَطَايَا خَيْلٌ شُمُسٌ حُمِلَ عَلَيْهَا أَهْلُها، وَخُلِعَتْ لُجُمُهَا، فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ في النَّار. أَلاَ وَإِنَّ التَّقْوَي مَطَايَا ذُلُلٌ، حُمِلَ عَلَيْهَا أَهْلُهَا، وَأُعْطُوا أَزِمَّتَها، فَأَوْرَدَتْهُمُ الْجَنَّةَ.)) بے راہ روی اور مہار کو ہوس کے ہاتہ میں تھمانے کی مثال اُنہی سرکش گھوڑوں کی طرح ہے کہ جنہوں نے اپنی مہار کو توڑ دیا اور اپنے سوار سے سارا اختیار لے لیا ہو اور بالآخر اُنہیں آگ میں پھینک دیں . تقوا کی مثال اُن مطیع و فرمانبردار سواریوں کی طرح ہے کہ جن کی مہار سواروں کے ہاتہ میں ہو اور وہ انہیں بہشت میں داخل کرتے ہیں - یہاں واضح

طور پر تقوا کی ایک ایسی روحانی اور معنوی حالت سے تعریف کی گئی ہے کہ جسے ہم نفس کو قابو رکھنے اور نفس کے مالک ہونے سے تعبیر کرتے ہیں ۔ در اصل یہاں ایک عظیم حقیقت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہوا وہوس کا مطیع ہونا اور مہار کا سرکش نفس کو تھمانے کامطلب ضعف و ناتوانی اور بے شخصیت ہونا ہے کہ ایسی حالت میں انسان اپنے وجود کو چلانے کے حوالے سے اُسی بے اختیار سوار کی طرح ہے کہ جو سرکش گھوڑے پر سوار ہو اور اپنا کوئی ارادہ و اختیار نہ رکھتا ہو جبکہ تقوا کا مطلب نفس کو اپنے قابو میں رکھنا ، قوت ارادی کی پختگی اور عقلی و معنوی شخصیت کا حامل ہونا ہے . جیسے ایک ماہر اور مسلط سوار تربیت یافتہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے جو اپنی پوری قوت کے ساتھ حکم دیتا ہے اور اسکا گھوڑا آرام سے اطاعت کرتا ہے ۔

سوال نمبر ۱۲ ۔ کن لوگوں کے اختیار کی مہار اُن کے اپنے ہاتھوں میں ہے ؟

جواب: جو شخص ہواوہوس اور شہوت وحرص اور لالچ و جاہ طلبی کے سرکش مرکب پر سوار ہو اور اس کا ہم و غم یہی کام ہوں تو اس کے اختیار کی مہار اس سے لے لی جا

چکی ہے اور اِن کاموں کے حوالے کر دی گئی ہے وہ احمقوں کی طرح انہی کاموں کے پیچھے جاتا ہے. عقل و مصلحت اور سوچنے کی دولت اس کے وجود پر حاکم نہیں رہتی لیکن جس کا بھروسہ تقوا پر ہو وہ نفس کے ایسے مرکب پر سوار ہے کہ جس کے اختیار کی مہار اس کے اپنے ہاتھ میں ہے ، جس طرف چاہے آسانی کے ساتھ حکم دیتا ہے اور حرکت کرتا ہے -

سوال نمبر١٣ : نہج البلاغہ میں تقوا کی کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے ؟

جواب: خطبہ نمبر ١٨٩ میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں : ((فان التقوی فی الیوم الحرز والجنہ ، و فی غدا الطریق الی الجنۃ)) یعنی تقوا انسان کے لئے اس دنیا میں ایک حصار اور ڈھال کی مانند ہے اور کل آخرت میں جنت کا راستہ ہے ، اس طرح کی تعبیرات زیادہ ہیں جیسے یہ تعبیر ((ان التقوی دار حصن عزیز والفجور دار حصن ذلیل ، لا یمنع اھلہ ، ولا یحرز من لجاَ الیہ))[٣] کہ تقوا کو بلند اور مضبوط پناہگاہ سے تشبیہ فرمایا ہے - یہ جتنا کہا گیا

[٣]. نہج البلاغہ، خطبہ ١٥٥

مثال کے لئے تھا تاکہ اسلام کی نظر میں تقوا کی حقیقت اور اصل معنی پہچانا جائے اور یہ معلوم ہوسکے کہ واقعاً کون حقدار ہے کہ اسے متقی یا باتقوا کہا جائے - معلوم ہوا کہ تقوا روح کی ایسی حالت کو کہا جاتا ہے کہ جو انسان میں روح کے لئے ایک حصار ،ڈھال ، دفاعی اسلحہ اور فرمانبردار و مطیع مرکب کی حالت رکھتا ہے ۔ مختصر یہ کہ ایک روحانی اور معنوی حالت کو کہا جاتا ہے ۔

سوال۱۴ : یہ فرمائیے کہ حیوانی زندگی سے نکلنے کے لئے کیا ضروری ہے ؟

جواب : ہم نے کہا تھا کہ انسان کے حیوانی زندگی سے نکلنے اور انسانی زندگی اختیار کرنے کا لازمہ یہ ہے کہ معین اور مشخص اصولوں کی پیروی کرے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود کو اُن اصولوں کے دائرے میں محدود کرے اور اُن کی حدود سے نہ بڑھے اور جب اسے لمحہ کی ہواوہوس بھڑکائے تاکہ وہ حدود سے بڑھے تو خود کو سنبھال لے ۔ یہ خود کو سنبھالنے کا نتیجہ کچھ کاموں کا ترک کرنا ہے جو تقوا کہلاتا ہے ۔

سوال نمبر ۱۵ - یہ فرمائیے کہ تقوا دینداری کا نتیجہ ہے یا انسانیت کا ؟

جواب : یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ تقوا نماز و روزہ کی طرح دینداری کی خاصیت ہے بلکہ تقوا انسانیت کا لازمی عنصر ہے ۔ انسان اگر حیوانی اور جنگلی انداز کی زندگی سے نکلنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ تقوا رکھتا ہو ۔

سوال نمبر ۱۶ ۔ دینی تقوی اور سیاسی و اجتماعی تقوا کے درمیان فرق بیان فرمائیں ؟

جواب : دیکھنے میں آیا ہے کہ عصر حاضر میں اجتماعی اور سیاسی تقوا کی اصطلاح چل پڑی ہے . دینی تقوا ایک خاص عظمت ، پاکیزگی اور مضبوطی رکھتا ہے اور صرف دین کی بنیاد پر ہی مضبوط تقوا استوار کیا جا سکتا ہے ۔
اور خدا پر محکم ایمان کی بنیاد کے بغیر کوئی مضبوط اور بنیادی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی ۔
گفتگو کی ابتداء میں جس آیت کی قرائت کی ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے : ((افمن اسس بنیانہ علی تقوی من اللہ و رضوان خیر ام من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار)) کیا وہ بہتر ہے کہ جس نے اپنی عمارت اللہ کی رضا اور اس کے تقوی پر استوار کی یا وہ کہ جس نے اپنی عمارت، کمزور سہارے اور آگ پر استوار کی ۔ بہر حال مذہبی اور الہی

تقوی انسانیت کا لازمہ ہے اور خود بخود اسے ترک کرنا اور چھوڑا اور اس سے گزرا نہیں جا سکتا ۔

سوال نمبر ۱۷ :۔ یہ فرمائیے کہ پیشوایانِ دین کی زبان میں تقوا کس چیز کے ساتھ تعبیر ہوا ہے ؟

جواب :اس مطلب کی طرف توجہ کرتے ہوئے اور خصوصاً اس بات کو مدنظر قرار دیتے ہوئے کہ تقوا پیشوایان دین کی زبان میں ڈھال اور حصار جیسی چیزوں کے ساتھ تعبیر ہوا ہے شاید بعض لوگوں کو آزادی کے نام سے غلط استفادہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے اور اب انہیں جس چیز سے بھی قید و بند کی بُو آئے وہ اس سے دور بھاگ جاتے ہیں . وہ یہ سوچ لیں کہ تقوا بھی ہر قسم کی آزادی کے دشمنوں میں سے ہے اور یہ بھی انسان کے پاؤں کی ایک زنجیر ہے ۔

سوال نمبر ۱۸ :۔ یہ فرمائیے کہ تقوا انسان کے لیے قید و بند ہے یا حفاظت ؟

جواب : اب ضروری ہے کہ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ تقوا قید و بند نہیں ، حفاظت ہے ۔ قید و بند اور حفاظت میں بہت فرق ہے ۔ اگر اس کا نام قید و بند رکھیں تو ایسی قید و بند ہے کہ جو حفاظت ہے ۔ مثالیں عرض کرتا ہوں :

انسان گھر بناتا ہے ، مضبوط دروازے اور کھڑکیوں کے ساتھ کمرے بناتا ہے ، پھر گھر کے اردگرد دیوار کھینچ دیتا ہے ، وہ کیوں یہ کام کرتا ہے ؟ اس لئے کہ وہ خود کو سردیوں میں سردی کے نقصانات اور گرمیوں میں گرمی کی تکلیف سے بچا سکے ، اس لئے کہ اپنے ضروریات زندگی کے سامان کو ایسی پُر امن جگہ پر رکھے کہ جو صرف اس کے اپنے اختیار میں ہو . وہ اپنی زندگی کو محدود کر دیتا ہے تا کہ اس کی زندگی غالباً ایک ہی چار دیواری میں گزرے ۔ اب اسے کیا نام دینا چاہیے ؟ کیا گھر اور رہنے کی جگہ انسان کے لئے قید و بند ہے اور اس کی آزادی کے خلاف ہے یا اس کے لئے حفاظت ہے ؟ اور اسی طرح انسان کا لباس ، اپنے پیروں کو جوتے میں ، اپنے سر کو ٹوپی میں اور اپنے جسم کو مختلف کپڑوں میں قید کر دیتا ہے ۔ گرمی اور سردی کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اب اسے کیا نام دینا چاہیے ؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان سب کا نام جیل رکھا جائے اور افسوس کیا جائے کہ پاؤں جوتے میں اور سر ٹوپی میں اور بدن کپڑوں میں قید ہو گئے ہیں اور ان کی اُن زندانوں سے آزادی کی خواہش کی جائے ؟ کیا یہ کہا جا

سکتا ہے کہ گھر اور رہنے کی جگہ قید و بند ہے اور آزادی کے خلاف ؟

سوال نمبر ۱۹ :۔ مہربانی یہ فرمائیے قرآن میں تقوا کس چیز کے ساتھ تعبیر ہوا ہے ؟

جواب :تقوا روح کے لئے ایسے ہی ہے جیسے زندگی کے لئے گھر ، جیسے بدن کے لئے لباس ۔ اور اتفاق سے قرآن میں بھی تقوا لباس سے ہی تعبیر ہوا ہے ۔ سورہ مبارکہ اعراف آیۃ ۲۶ میں بدن کے لباسوں کے نام لینے کے بعد ارشاد ہوا کہ : ((و لباس التقوی ذلک خیر)) یعنی تقوا کہ جو روح کا لباس ہے ضروری اور بہتر ہے اب قید و بند کا نام اس چیز کو دیا جا سکتا ہے کہ جو انسان کو نعمت اور عادت سے محروم کردے

سوال ۲۰ :۔ یہ فرمائیے کہ امام علی نے تقوا کو کس چیز کے ساتھ تعبیر کیا ہے ؟

جواب : جو چیز خطرہ کو انسان سے دور کرے اور انسان کی خطروں سے حفاظت کرے وہ حفاظت ہے قیدوبند نہیں ، اور تقوا ایسی ہی ایک چیز ہے ۔ تقوا کو حفاظت کے ساتھ تعبیر کرنا امیرالمؤمنین کی تعبیروں میں سے ایک ہے ۔ وہ اپنے کلمات میں سے ایک میں فرماتے ہیں : ((الا فصولوھا

و تصونوابھا)) یعنی تقوا کو بچاؤ اور تقوا کے ذریعے اپنے لئے حفاظت بناؤ ۔ امیرالمؤمنین اس سے بڑھ کر تعبیر فرماتے ہیں کہ جس میں نہ صرف تقوا کو قیدوبند اور آزادی کے خلاف نہیں سمجھتے بلکہ آزادی کی سب سے بڑی علت کو الہی تقوا حساب کرتے ہیں ۔

خطبہ نمبر ۲۲۸ میں فرماتے ہیں : ((فان التقوی اللہ مفتاح سداد ، و ذخیرہ معاد ، و عتق من کل ملکۃ ، و نجاہ من کل ھلکۃ ، بھا ینجح الطالب ، و ینجو الھارب و تنال الرغائب)) یعنی تقوا نیکی کی چابی اور روز قیامت کا ذخیرہ ، ہر دشمن کی قید سے آزادی اور بدبختی سے نجات ہے ۔

سوال نمبر ۲۱ : یہ فرمائیے کہ کیا انسان تقوا کے ذریعے اپنے ہدف تک پہنچ سکتا ہے ؟

جواب : تقوا کے ذریعے انسان اپنے ہدف تک پہنچ جاتا ہے اور دشمن نجات پا لیتا ہے اور اپنی تمناؤں کو حاصل کر لیتا ہے تقوا پہلے مرحلہ میں مستقیم طور پر انسان کو اخلاقی اور معنوی آزادی دیتا ہے اور اسے ہواوہوس کی قید سے آزادی دلاتا ہے اور لالچ و حرص اور حسد و شہوت اور غصہ کی شاخیں اس کی گردن سے اتار دیتا ہے لیکن غیر مستقیم طور پر اجتماعی زندگی میں بھی انسان کے لئے

آزادی بخش ہے اجتماعی ذلت اور غلامی معنوی ذلت کا نتیجہ ہے ۔ جو پیسوں کا بندہ اور غلام ہو وہ اجتماعی لحاظ سے آزاد زندگی نہیں کر سکتا ۔ لہذا صحیح ہے کہ کہا جائے عتق من کل ملکۃ یعنی تقوا انسان کو ہر قسم کی آزادی دیتا ہے ۔ پس تقوی نہ صرف کہ قید و بند نہیں بلکہ عین آزادی اور حریت ہے ۔

سوال نمبر ۲۲ : یہ فرمائیے کہ بعض لوگوں میں تقوی کیوں غرور کا باعث بنتا ہے ؟

جواب : ممکن ہے کہ تقوا کے بارے میں یہ جو ذکر ہوا ہے کہ حرز و مورچہ اور ڈھال ہے کچھ لوگوں کے لیے یہی چیز غرور اور غفلت کا باعث بنے اور وہ یہ سوچیں کہ وہ متقی اور خطاؤں سے پاک ہیں اور تقوا کو مٹانے اور اسکی بنیادوں کو خراب کرنے والے خطرات کی طرف توجہ نہ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تقوا جس قدر زیادہ ہو گا خطرات بھی اسی قدر زیادہ ہوں گے ۔ انسان کے لیے جس طرح تقوا کے سائے اور حفاظت میں زندگی بسر کرنا لازم ہے بالکل اسی طرح اسے تقوا کی حفاظت بھی کرنا چاہیے اور یہ کوئی نا ممکن چیز نہیں ہے ۔ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ایک چیز ہماری حفاظت اور نگہداری کا وسیلہ ہو اور

اسی حال میں ہمارے اوپر بھی یہ ذمہ داری عائد کرے کہ ہم اس کی حفاظت کریں ۔ بالکل اسی لباس کی طرح جس کی مثال دی تھی ، لباس سردی اور گرمی سے انسان کی حفاظت کرتا ہے اور انسان بھی اپنے لباس کی چور سے حفاظت کرتا ہے ۔

سوال نمبر۲۳ :۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا انسان تقوا کے ذریعے اپنا امتحان کر سکتا ہے ؟

جواب :امیرالمؤمنین علی علیہ السلام نے ایک جملہ میں دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ((الا فصونوھا و تصونوابھا)) یعنی تقوا کو بچاؤ اور اس کے ذریعہ خود کو بچاؤ ۔ پس اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ کیا تقوا ہماری حفاظت کرتا ہے یا ہم تقوا کی حفاظت کرتے ہیں ؟ تو کہا جائے گا کہ دونوں باتیں درست ہیں جیسے اگر سوال کیا جائے کہ کیا قربِ الٰہی کے مقام اور خدا تک پہنچنے کے لئے تقوا سے مدد لینی چاہیے ، یا خدا سے مدد مانگی جائے تا کہ تقوا حاصل کیا جاسکے ؟ تو ہم کہیں گے کہ دونوں ، تقوا کی مدد سے خدا کے نزدیک ہونا چاہیے اور خدا سے مدد مانگنی چاہیے کہ تقوی کی کثرت او ر بڑھاوے کے لئے وہ ہماری نصرت کرے ۔

امیرالمؤمنین علیہ السلام کے کلمات میں بھی آیا ہے : ((
اوصیکم عباداللہ بتقوی اللہ فانھا حق اللہ علیکم ، والموجبۃ علی
اللہ حقکم و ان تستعینوا علیھا باللہ ، و تستعینوا بھا علی اللہ))
یعنی تمہیں الہی تقوا کی سفارش کرتا ہوں تقوا تمہارے ذمے
اللہ کا حق ہے اور خدا پر تمہارے حق کے ثابت ہونے کا
باعث ہے اور یہ کہ تقوا تک پہنچنے کے لئے خدا سے مدد
مانگو اور خدا تک پہنچنے کے لئے تقوا سے مدد لو ہر حال
میں اُن خطرات کی طرف متوجہ رہو جو تقوا کی بنیادوں
کو ہلا دیتے ہیں ۔

سوال نمبر۲۴ : ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا ہمارے دینی قوانین اور دستورات میں کس چیز کا ضامن ہے ؟

جواب : ہم دیکھتے ہیں کہ تقوا دین پر مشتمل قوانین کی
روشنی میں بہت سارے گناہوں سے انسان کو محفوظ
رکھنے کا ضامن ہے لیکن پھر بھی دوسرے کئی ایک
گناہوں کی نسبت کہ جن کی تاثیر اور کشش زیادہ ہے اُن سے
بچنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً دینی تعلیمات میں یہ نہیں کہا
گیا کہ چوری یا شراب پینے یا کسی کو قتل کرنے کے لئے
تنہا رہنا حرام ہے مثلاً کوئی مانع نہیں ہے کہ کوئی شخص
العیاذباللہ شراب پینے کے لئے رات گھر میں اکیلے گزارے

کوئی ظاہری مانع اور رکاوٹ نہیں ہے ۔ وہی تقوا اور ایمان ہی یہاں پر انسان کا ضامن ہے لیکن جنسیت کے مسئلہ میں کہ انسان کے وجود میں اس خواہش کی طرف قوی تاثیر اور شدید لگاؤ ہے تو یہ ذمہ داری تقوا سے اُٹھائی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ بے عفتی کے لئے تنہا رہنا ممنوع ہے کیونکہ یہ خطرہ ایسا خطرہ ہے کہ بعض اوقات ممکن ہے کوئی بغیر سوچے سمجھے اس حصار میں داخل ہو جائے اور ا اب چاہے وہ جتنا بھی مضبوط ہو وہ اس حصار کو فتح کر لے گا ۔ پس تقوا اور پرہیز گاری کو ایسے حصار سے تشبیہ دی گئی ہے جو انسان کی حفاظت کا باعث ہے ،بالکل اسی طرح کہ جیسے حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے کلمات میں یہی تشبیہ ذکر ہوئی ہے ۔تقوا کا حصار ایسا حصار ہےکہ جس کے مقابلے میں ایک بہت بڑا لشکر بھی ماند پڑجاتا ہے اور اس لشکر میں ہر سوار اکیلے اس حصار کے فتح کرنے پر قادر ہے اکٹھے اور مل جل کر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔

۲۵ ۔ برائے مہربانی تقوا کے آثار اور قدر و قیمت کے بارے میں تھوڑی وضاحت فرمائیں ؟

جواب :دوسرا موضوع ، تقوا کے آثار اور قدروقیمت ہے ۔ تقوا کے ان یقینی آثار سے ہٹ کر کہ جو انسان کی اخروی زندگی میں رکھتا ہے اور ہمیشہ کی بدبختی سے نجات پانے کا اکیلا راستہ ہے ، انسان کی دنیاوی زندگی میں بھی بہت زیادہ آثار اور قدروقیمت رکھتا ہے ۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام جنہوں نے اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ تقوا پر زور دیا ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی ہے اس کے لئے بہت زیادہ آثار و برکات ذکر کئے ہیں اور کبھی تقوا کے فوائد کو ایک عجیب سی عمومیت دیتے ہیں جیسے کہ فرماتے ہیں ((عتق من کل ملکۃ ، و نجاۃ من کل ھلکۃ)) یعنی ہر دشمن سے آزادی اور ہر قسم کی بدبختی سے نجات ہے ۔ یا یہ فرماتے ہیں ((دواء قلوبکم ، و شفاء مرض اجسادکم ، و صلاح فساد صدورکم ، و طھور دنس انفسکم)) تقوا تمہارے دلوں کی بیماری کی دوا اور تمہارے جسموں کے مرض کی شفا ، اور تمہارے سینوں کی خرابی کی درستی اور تمہارے نفوس کے پاک ہونے کا مایہ ہے ۔ علی انسان کے تمام دردو رنج کو اکٹھا کرتےہیں اور ان سب کے لئے تقوا کو مفید سمجھتے ہیں ۔

سوال نمبر ۲۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا ہم تقوا کو زندگی کے ارکان میں سے سمجھ سکتے ہیں ؟

جواب :حق تو یہ ہے کہ اگر ہم تقوا کو منفی و پرہیز اور دور رہنے کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور اسی طرح پہچانیں جیسےحضرت علی نے پہچانا تو یہ ماننا پڑے گا کہ تقوا انسان کے ارکانِ زندگی میں سے ایک اہم رکن ہے چاہے وہ فردی زندگی ہو یا اجتماعی ، اور اگریہ نہ ہو تو زندگی کی بنیادیں ہل رہ جاتی ہیں ۔

سوال نمبر ۲۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا کوئی چیز تقوا کی جگہ لے سکتی ہے ؟

جواب : کسی بھی چیز کی قدروقیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ کیا کوئی اور چیز اس کی جگہ لے سکتی ہے یا نہیں ؟ تقوا زندگی کی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے ، اس لئے کہ کوئی اور چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتی ، نہ طاقت ، نہ دولت اورنہ قانون کی چھاپ اور نہ ہی کوئی اور چیز ، قوانین کی کثرت اور ایک کے بعد دوسری تبدیلی ہمارے روز کے معمولات میں سے ہے ہر چیز کے لئے اس کے خاص قانون بنتے ہیں ، آئین نامے بنائے جاتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ مقصد حاصل نہیں ہوا

،قوانین کو بدل دیتے ہیں ، آئین ناموں کو بڑھایا جاتا ہے لیکن پھر بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا لہذا کوئی چیز تقوا کی جگہ نہیں لے سکتی ۔

سوال نمبر ۲۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا انسان الہی قوانین کے علاوہ شہری قوانین کے بھی محتاج ہیں یا نہیں ؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ خود قانون بھی زندگی کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے ۔ الہی کلی قوانین کے علاوہ لوگ شہری قوانین کے بھی محتاج ہیں لیکن کیا صرف قوانین کے بنانے اور اُن کے عام کرنے سے معاشرہ کی اصلاح کی جا سکتی ہے ؟ قانون سرحد اور حد کو معین کرتا ہے ، پس ضروری ہے کہ لوگوں کے باطن میں ایک ایسی قوت اور طاقت ہو کہ جو اِن حدود کا احترام کروا سکے اور وہ وہی ہے کہ جسے تقوا کا نام دیا گیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ قانون کا احترام ہونا چاہیے ۔ یہ ٹھیک ہے لیکن کیا جب تک اصول تقوا محترم نہ ہوں ، قانون کے احترام کا نام لیا جا سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر روز کی باتوں میں سے دو تین مثالیں پیش کرتا ہوں ، جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ آج کل ہماری زندگی میں چند مشکلات رائج ہیں اور

اخباروں میں لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اظہار نظر کریں اور راہِ حل بتائیں جو مسائل رواج پیدا کر چکے ہیں ان میں سے ایک شرح طلاق میں زیادتی ہے ۔ ووٹوں کی اصلاح کا مسئلہ ہے ، دوسرا مسئلہ ڈرائیورنگ کا ہے وغیرہ ۔

سوال نمبر ۲۹ :برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا کا نہ ہونا طلاق کی علتوں میں سے ایک ہو سکتا ہے ؟

جواب :میں یہ دعوی نہیں کرنا چاہتا کہ طلاق کی زیادتی کی وجوہات پر دسترس رکھتا ہوں اور اُن سب کو بیان کر سکتا ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے مختلف اجتماعی عوامل ہیں اور میں اتنا جانتا ہوں کہ شرح طلاق میں زیادتی کا اصلی سبب تقوا کا نہ ہونا ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان تقوا کم نہ ہو گیا ہوتا اور مرد اور خواتین حدود الہی کی پاسداری کرتے تو طلاق اتنی زیادہ نہ ہوتی ۔

پرانی زندگی میں مشکلات اور محرومیاں زیادہ تھیں ، حتماً جو مشکلات آج کی خاندانی زندگی میں ہیں پہلے بہت زیادہ تھیں ۔ لیکن اس کے باوجود ایمان اور تقوا کی طاقت ان میں سے بہت ساری مشکلات کو حل کر دیتی تھی ،جبکہ آج ہم یہ طاقت کھو چکے ہیں اور اس کے باوجود کہ زندگی کے

وسائل اچھے ہیں زیادہ مشکلات عارض ہیں اور اب مثلاً مردوں اور خواتین پر طاقت کے ذریعے قانون کے قید و بند لاگو کر کے ، اس طاقت کے ذریعے ، عدالتوں کی طاقت کے ذریعے ، قوہ مجریہ کی طاقت کے ذریعے ، قوانین اور مقررات میں تبدیلی کے ذریعے ہم یہ چاہتے ہیں کہ شرح طلاق میں کمی کی جائے لیکن یہ کام ہونے والا نہیں ۔

سوال ۳۰ :برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ طلاق اور قتل غارت کیوں بڑھ رہے ہیں ؟

جواب : آج ہم بہت زیادہ اجتماعی مسائل میں گھرے ہوئے ہیں جن میں سے تھوڑی بہت فکریں ہیں جو ان کی طرف متوجہ ہیں ۔ ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ مثلاً شرح طلاق کیوں بڑھ رہی ہے ؟ کیوں قتل و غارت اور چوری زیادہ ہے ؟ کیوں چیزوں میں ملاوٹ اور نقل ، عام ہو چکی ہے ؟ برائیاں کیوں زیادہ ہو گئی ہیں اور اسی طرح کی اور باتیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان کی کمزوری اور تقوا کے قلعہ کی خرابی کو ان برائیوں کا مہم سبب حساب کرنا چاہیے ۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ بعض لوگ ہمیشہ ان سوالوں کو بیان کرتے اور لکھتے ہیں ، لیکن دوسری طرف کیونکہ خود تقوا پر یقین نہیں رکھتے ، مختلف اسباب اور

عوامل کے ذریعے ان سوالوں کی جڑ لوگوں کی روح سے کاٹ دیتے ہیں اور لوگوں کو اخلاقی انحطاط اور تقوا کی بنیادوں کو تباہ کرنے اور تقوا کی حفاظت کو ختم کرنے کی طرف شوق دلاتے ہیں ۔ اگر ایمان نہ ہو اور نعوذباللہ الہی تقوا حقیقت نہ رکھتا ہو تو ممکن ہے کہ وہ کہے کیوں چوری نہ کروں ؟ کیوں غارت گری نہ کروں ؟ کیوں نقل نہ کروں ؟ کیوں ؟ کیوں ؟

سوال نمبر ٣١ : برائے مہربانی تقوا کے بارے میں حضرت علی کی نظر بیان فرمائیں ؟

جواب : حضرت امیرالمؤمنین نے تقوا کے بارے میں فرمایا ہے : ((شفاء مرض اجسادکم)) تمہارے جسموں کی بیماری کی شفا ہے ۔ شاید آپ چاہتے ہوں کہ یہ سوال کریں کہ تقوا جو ایک روحی اور معنوی امر ہے ، اس کا جسم کی سلامتی سے کیا رابطہ ہے ؟ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ تقوا کیپسول یا ٹیکہ نہیں ، لیکن اگر تقوا نہ ہو تو ہسپتال اچھا نہیں ، ڈاکٹر اچھا نہیں ، نرس اچھی نہیں ، دوا اچھی نہیں اگر تقوا نہ ہو تو انسان اپنے جسم کی اور اپنے جسم کی صحت کی حفاظت پر قادر نہیں ۔

سوال نمبر ۳۲ : برائے مہربانی راضی اور قانع افراد کی بعض خصوصیات بیان فرمائیں ؟

جواب :متقی انسان کہ جو اپنی حیثیت اور حق پر قانع اور راضی ہے ، مطمئن روح اور پرسکون اعصاب اور سلامت دل رکھتا ہے ، ہمیشہ اس خیال میں نہیں رہتا کہ کہاں سے کاٹے اور کہاں سے کھائے اور کہاں سے چبائے ، اعصابی تکالیف اسے معدہ کے زخم میں مبتلا نہیں کرتیں ، شہوت میں حد سے زیادہ بڑھنا اسے کمزور اور ناتوان نہیں کرتا اس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے ۔

سوال نمبر ۳۳ : برائے مہربانی انسان کی سلامتی میں تقوا کے کردار کی وضاحت بیان فرمائیں ؟

جواب : جسم اور روح کی سلامتی اور معاشرہ کی سلامتی سب کیے سب تقوا سے وابستہ ہیں ۔ دو اور عمدہ مطلب باقی بچے ہیں ۔ ایک تقوا کی تاثیر روشن خیالی اور دل کی بصیرت میں کہ جسے قرآن نے ایک آیت میں ذکر کیا ہے ((ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا)) یہ اثر یعنی روشن خیالی اور بصیرت تقوا کے مہم آثار میں سے ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہی مطلب ہے کہ جس نے عرفان میں باب سیرو سلوک کو کھولا ہے ۔

سوال نمبر ۳۴: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا ہمیں مشکلات سے چھٹکارا دلا سکتا ہے ؟

جواب : تقوا کے آثار میں سے ایک اور یہ ہے کہ جس کے پاس ہو اسے مشکلات سے نجات دلاتا ہے ۔ قرآن کریم کی سورہ طلاق میں ارشاد ہوتا ہے کہ ((و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ، و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا)) یعنی جو بھی تقوا رکھتا ہو خداوند متعال اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے ۔ اور اسی سورہ میں دو آیات کے بعد ارشاد ہوتا ہے : ((و من یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا)) جو بھی تقوا رکھتا ہو خداوند اس کے کام میں ایک قسم کی آسانی قرار دیتا ہے ۔

سوال نمبر ۳۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا کے بارے میں کوئی ذکر قرآن میں ارشاد ہوا ہے ؟

جواب : پہلے اثر کے بارے میں یہ کہنا چاہیے کہ یہ صرف ایک قرآن کی آیت نہیں بلکہ یہ اسلام میں ایک مسلم منطق ہے ۔ قرآن میں بعض دوسری آیات بھی ہیں کہ جو اس مطلب کی تائید کرتی ہیں ۔ نبوی اور آئمہ اطہار کی احادیث میں اس مطلب پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ جیسے کہ اس

سے پہلے کہا تھا کہ اسی مطلب نے عرفان میں سیروسلوک کے باب کو کھولا ، عارف مسلک ایک جملہ کو کہ جو ایک آیہ کریمہ میں آیا ہے ((یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی)) ۔ کہ جو قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے ، کے ساتہ ارتباط برقرار کرتے ہیں اور وہ جملہ یہ ہے : ((و اتقوااللہ و یعلمکم اللہ)) الہی تقوا اختیار کرو اور خداوند تمہیں سکھاتا ہے اور تعلیم دیتا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ ان دو جملوں کا یکے بعد دیگرے آنا اس بات کی تائید ہے کہ تقوا یہ اثر رکھتا ہے کہ انسان الہی تعلیم سے فیضیاب ہونے کی نعمت کو حاصل کر سکے ۔

سوال نمبر ۳۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیسے حکمت کے دروازوں کو اپنے دل پر کھولا جا سکتا ہے ؟

جواب : رسول اللہ کے کلام میں آیا ہے : ((جاھدوا انفسکم علی اھوائکم تحل قلوبکم الحکمۃ)) اپنی ہواوہوس سے جنگ کرو تاکہ حکمت تمہارے دلوں میں داخل ہو ۔ ایک اور حدیث نبوی ہے کہ جس کے بارے میں مجھے یہ یاد نہیں کہ بالکل یہی جملات حدیث کی کتابوں میں دیکھے ہیں یا نہیں لیکن دوسری مشہور اور معروف کتابوں میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے اور وہ یہ ہے : (الا من اخلص للہ اربعین

صباحا جرت ينابيع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ)) جو بھی چالیس دن تک اپنے کو خدا کے لئے خاص کر دے تو حکمت کے چشمے اس کے دل کی زمین سے اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں ۔ لیکن یہی مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ اصول کافی کے باب اخلاص میں امام باقر سے نقل ہوا ہے ((ما اخلص العبد الایمان باللہ عزوجل اربعین یوما ۔ او قال ما اجمل عبد ذکر اللہ عزوجل اربعین یوما الا زھدہ اللہ عزوجل فی الدنیا ، و بصرہ داءھا ، فاثبت الحکمۃ فی قلبہ و انطق بھا لسانہ)) کسی بندہ نے چالیس دن تک اپنے ایمان کو خالص نہیں کیا یا فرمایا کہ کسی بندہ نے چالیس دن تک خدا کو اچھی طرح یاد نہیں کیا (یہ شک حدیث کے راوی کی طرف سے ہے) مگر یہ کہ خدا نے اسے زہد عطا کیا اور اسے اس دنیا کے دروازوں اور دواؤں کی بصیرت دی اور حکمت کو اس کے دل میں ٹھہرایا اور اس کی زبان سے جاری کیا ہے ۔

سوال نمبر ۳۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ علم اور بصیرت گناہ سے دوری میں کیا تاثیر رکھتے ہیں ؟

جواب : تفسیر المیزان میں اہلسنت کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا : ((لو لا تکثیر فی کلامکم

، و تمریج فی قلوبکم لرایتم ما اری و لسمعتم ما اسمع)) یعنی اگر تم بولنے میں زیادتی نہ کرتے اور تمہارے دلوں میں تمریج نہ ہوتی تو جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے اور جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ۔ لفظ تمریج " مرج " کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی گھاس پھوس والی زمین ہے کہ جس میں معمولاً کوئی بھی حیوان داخل ہو جاتا ہے اور چلتا پھرتا اور چرتا ہے ۔ آپ   یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تمہارے دلوں کی زمین اسی درودیوار کے بغیر گھاس پھوس والی زمین کی طرح ہے کہ جس میں سب حیوان آ سکتے ہیں اور چل پھر سکتے ہیں ۔ ایک اور حدیث میں امام صادق فرماتے ہیں : ((لو لا ان الشیاطین یحومون حول قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السموٰت)) اگر وہ شیاطین نہ ہوتے کہ جو اولاد آدم   کے دلوں کے گرد گھومتے رہتے ہیں تو وہ آسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کرتے ۔ اس طرح کی تعبیرات ہمارے دینی آثار میں زیادہ ہیں کہ جو یا تو تقوا اور گناہ سے پاکیزگی کو براہ راست روح کی روشن خیالی اور بصیرت میں مؤثر سمجھتی ہیں یا بالواسطہ اس مطلب کو بیان کرتی ہیں جیسے یہ کہ روح اور دل کی تاریکی اور عقل کی

روشنی کے خاموش ہونے میں تقوا کو ہاتھ سے دینے اور ہواپرستی کی تاثیر کو بیان کیا ہے ۔

سوال نمبر ۳۸ : برائے مہربانی خود پسندی کے بارے میں اپنی نظر بیان فرمائیں اور یہ فرمائیے کہ کیا کسی چیز سے محبت دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے ؟

جواب : حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ : ((من عشق شیئا اعشی بصرہ و امرض قلبہ)) جو بھی کسی چیز کو حد سے بڑھ کر چاہے تو وہ اسے اندھا (یا رات کا اندھا) اور اس کے دل کو بیمار کر دیتی ہے ۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ : ((عجب المرء بنفسہ احد حساد عقلہ)) انسان کی خودپسندی ان چیزوں میں سے ایک ہے کہ جو اس کی عقل سے حسد اور دشمنی کرتی ہیں ۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ : ((اکثر مصارع العقول تحت بروق المطامع))یعنی عقل کو کھانے والی اکثر زمین وہاں ہے کہ جہاں لالچ کی بجلی چمکتی ہو ۔ یہ اسلامی معارف میں ایک مسلمہ اصول ہے ۔ اور پھر اس منطق کی نشانیاں اسلامی ادبیات چاہے عربی ہوں یا فارسی یا دوسری زبانیں سب میں ہی زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں اور ہم فضلاء نے اس حقیقت کا اقتباس کیا اور اسے استعمال کیا ہے ۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی

ادبیات کی بنیادوں میں سے ایک اسی منطق پر رکھی گئی ہے ۔

سوال نمبر ۳۹ : برائے مہربانی فارسی ادبیات میں محبت کی کوئی مثال بیان کریں ؟

سعدی اپنی کتاب بوستان میں سلطان محمود اور ایاز کی معروف کہانی کے ذیل میں محمود کو ایاز کی محبت پر ملامت کرتا ہے ۔ اس کہانی کے آخر میں ۔ کہتا ہے کہ :

حقیقت سرائی است آراستہ هوا و هوس گرد برخاستہ

نبینی کہ هر جا کہ برخاست گرد نبیند نظر گر چہ بیناست مرد

گلستان میں کہتا ہے کہ :

بدوزد شره دیده هوشمند در آرد طمع مرغ و ماهی بہ بند

جمال یار ندارد نقاب و پرده ولی غبار بنشان تا نظر توانی کرد

حافظ کہتا ہے کہ :

اس طرح کی تعبیرات اور بیانات عربی اور فارسی اور دوسری ادبیات میں بھی زیادہ ہیں پس دین اسلام اور

اسلامی ثقافت کے لحاظ سے یہ مطلب ایک مسلمہ اصول ہے ۔

سوال نمبر ۴۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا اور روشن خیالی میں کیا رابطہ ہے ؟

جواب : اب یہ ضروری ہے کہ علمی اور فلسفی منطق کے لحاظ سے بھی بحث کریں اور دیکھیں کہ تقوا اور روشن خیالی میں کیا رابطہ ہے ؟ کیسے ممکن ہے کہ تقوا کہ جو ایک اخلاقی فضیلت ہے اور انسان کے عمل کے انداز سے مربوط ہے انسان کی عقل اور فکر اور قضاوت کے پہلؤوں میں مؤثر ہو اور اس بات کا سبب بنے کہ انسان ان حکمتوں کے حاصل کرنے کی جانب متوجہ ہو کہ جن حکمتوں کو تقوا رکھے بغیر حاصل نہ کر سکتا ہو ؟

میں اس مطلب کی طرف خاص طور پر توجہ رکھتا ہوں کہ بہت سے افراد یقین نہیں کرتے کہ یہ ایک درست مطلب ہوبلکہ اسے ایک خیالی چیز سمجھتے ہیں اور اس کے لئے صرف ایک شعری اور خیالی قیمت کے قائل ہیں ۔ مجھے یاد ہے کہ کچھ سال پہلے میں مادی فلسفہ کے ایک طرفدار کی تحریر پڑھ رہا تھا جس میں اس نے اسی مطلب پر حملہ کیا اور اس کی مذاق اُڑائی تھی ۔ اس نے لکھا تھا کہ کیا تقوا اور

نفس سے جہاد کوئی خاص قسم کا حلوہ ہے کہ انسان کی روح کو جلا بخش دے اور روشنی بخشے ۔

سوال نمبر ۴۱ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا سے پیدا ہونے والی حکمت عملی ہے یا نظری ؟

جواب : یہ نکتہ پہلے کہنا چاہیے کہ جو حکمت تقوا سے پیدا ہوتی ہے اور وہ روشنی جو تقوا کے اثر سے وجود میں آتی ہے عملی حکمت ہے نہ کہ نظری حکمت ۔ فلاسفہ ایک اصطلاح رکھتے ہیں کہ عقل کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں : عقل نظری اور عقل عملی ۔ البتہ اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب میں دو عاقلہ قوتیں ہیں ۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان کی قوت عاقلہ فکر اور اندیشہ سے دو طرح کے محصول رکھتی ہے کہ جو بنیاد میں ہی آپس میں مخالف ہیں : نظری اندیشے اور افکار اور عملی اندیشے ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان فلسفی ابحاث کے بارے میں گفتگو کروں اور عملی و نظری افکار اور اندیشوں کا فرق بیان کروں کیونکہ اگر یہ مقصود ہو کہ اس مطلب کے بارے میں گفتگو کی جائے تو ایک تقریر سے زیادہ وقت لے لیتی ہے ۔

سوال نمبر ۴۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ عقل نظری کن علوم کا بنیادی اصول قرار پاتی ہے ؟

جواب : بطور اجمال یہی عرض کرتا ہوں کہ عقل نظری وہی ہے کہ جو علوم طبیعی و ریاضی اور الٰہی فلسفہ کی بنیاد ہے یہ سب علوم اس حوالے سے اتحاد رکھتے ہیں کہ ان سب علوم میں عقل کا کام حقیقتوں کے بارے میں قضاوت کرنا ہے کہ فلان چیز ایسے ہے یا ویسے ؟ فلان اثر اور فلان خاصیت کو رکھتی ہے یا نہیں ؟ کیا فلان معنی حقیقت رکھتا ہے یا نہیں ؟ لیکن عقل عملی ، علوم زندگی کا بنیادی اصول ہے ۔ اخلاق کا بنیادی اصول ہے اور قدماء کے بقول علم اخلاق اور انجینئرنگ اور جدید سیاست کا بنیادی اصول بھی ہے ۔ عقل عملی میں قضاوت ، حقائق میں سے کسی حقیقت کے بارے میں نہیں کہ کیا ایسے ہے یا ویسے ؟ بلکہ قضاوت کا مورد ذمہ داری اور وظیفہ ہے : کیا یہ کام کروں یا وہ کام ؟ ایسے عمل کروں یا ویسے ؟

سوال نمبر ۴۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ اچھائی و برائی اور چاہیے و نہ چاہیے کا مفہوم عقل عملی سے وجود میں آتا ہے یا نظری سے ؟

جواب : عقل عملی وہی ہے کہ جو اچھائی و برائی اور حسن و قبح اور چاہیے و نہ چاہیے اور امر و نہی اور اسی طرح کے مفہوم کو خلق کرتی ہے ۔ انسان زندگی میں جو راستہ

انتخاب کرتا ہے وہ اس کے عقل عملی کی قضاوت اور کام کرنے کے انداز سے جڑا ہوا ہے اور اس کے عقل نظری کی قضاوت اور کام کرنے کے انداز سے بلاواسطہ طور پر کوئی تعلق نہیں رکھتا ۔ یہ جو دینی کتب میں آیا ہے کہ تقوا عقل کو روشن کرتا ہے اور حکمت کے دروازے انسان پر کھول دیتا ہے ۔ جیسے خود ان کا انداز دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام عقل عملی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی تقوا کی وجہ سے انسان اپنے درد و دواء اور زندگی میں جس راستہ پر چلنا چاہیے اسے اچھی طرح پہچان لیتا ہے ۔ اس کا عقل نظری سے کوئی تعلق نہیں یعنی یہ مراد نہیں کہ تقوا عقل نظری میں اثر رکھتا ہے اور اگر انسان تقوا رکھتا ہو تو ریاضی یا فزکس کے درس کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان علوم کے مسائل کو حل کر لے حتی کہ فلسفہ الہی میں بھی اسی طرح ہے کہ جب تک فلسفہ کا روپ رکھے اور اس کا سروکار منطق اور استدلال سے ہو اور چاہتا ہو کہ استدلال کے ذریعہ آگے بڑھے اور اپنے ذہن میں مقدمات کو جوڑے تا کہ نتیجہ تک پہنچ جائے ۔

سوال نمبر ۴۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا روشن خیالی اور حکمت میں زیادتی کا سبب بنتا ہے ؟

جواب : تقوا ، پاکیزگی اور نفس سے جہاد ربوبی معارف کی ایک اور قسم میں اثر رکھتے ہیں لیکن وہاں عقل نظری اور فلسفہ و استدلال و منطق اور مقدمات کے جوڑنے اور نتیجہ سے مقدمہ اور مقدمہ سے نتیجہ تک فکر کا پہنچ جانا ، مقام نہیں رکھتے ۔ مراد یہ ہے کہ جو حقیقت بیان ہوئی ہے کہ تقوا حکمت میں زیادتی اور روشن خیالی کا باعث بنتا ہے ۔ نظری مسائل اور عقل نظری کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور شاید بعض کو اس مطلب کے قبول کرنے میں جو مشکل پیش آئی ہے اس کی وجہ یہی ہو کہ انہوں نے اس مطلب کو عقل نظری تک وسیع کر دیا ہے ۔ لیکن عقل عملی کے بارے میں مطلب اسی طرح ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ہر استدلال سے پہلے ، اس مطلب پر تجربہ گواہ ہے کہ حقیقت میں تقوا اور پاکیزگی اور نفس امارہ کو مطیع کرنا روشن خیالی اور عقل کی مدد کرنے میں تاثیر رکھتا ہے لیکن اس معنی میں نہیں کہ عقل ایک چراغ کی طرح ہے اور تقوا اس چراغ کا تیل یا یہ کہ عقل ایک کارخانہ کی جگہ ہے کہ جو روشنی کو پیدا کرتا ہے اور فعلاً فلاں کلو واٹ مقدار میں بجلی دیتا ہے

اور جب تقوا آئے تو فلان کلو واٹ مقدار اس کارخانہ کی بجلی میں بڑھا دیتا ہے ۔ نہیں اس طرح نہیں بلکہ بات اور ہے ۔

سوال نمبر ۴۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ اپنے دوست اور دشمن کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے ؟

حضرت علی کے کلمات میں سے ہے کہ : ((اصدقاءک ثلاثہ و اعداؤک ثلاثہ)) یعنی تم تین طرح کے دوست اور تین طرح کے دشمن رکھتے ہو ۔ ((فاصدقاؤک صدیق و صدیق صدیقک و عدو عدوک)) یعنی تمہارے دوست میں سے ایک وہ ہے کہ جو براہ راست تمہارا اپنا دوست ہے ، دوسرا وہ کہ جو تمہارے دوست کا دوست ہے ، اور تیسرا وہ کہ جو تمہارے دشمن کا دشمن ہے ۔

((و اعدائک ، عدوک و عدو صدیقک و صدیق عدوک))

اور تمہارے دشمن عبارت ہیں اس سے کہ ایک وہ کہ جو براہ راست تمہارا دشمن ہے اور وہ کہ جو تمہارے دوست کا دشمن ہے اور وہ کہ جو تمہارے دشمن کا دوست ہے ۔

اس کلام کے ذکر کرنے سے مراد یہ تھی کہ دوستوں کی ایک قسم ، دشمن کا دشمن ہے ۔ دشمن کے دشمن کو دوست کا رتبہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کو ضعیف کر دیتا ہے

اور اس کے ہاتھ باندھ دیتا ہے اور اس طرح انسان کی مدد کرتا ہے ۔ اور دشمن کا دشمن دوست کی طرح ہے خود ایک حساب اور قاعدہ ہے اور انسان کو قوت عطا کرتا ہے ۔

یہ قاعدہ کہ جو انسانوں میں جاری ہوتا ہے انسان کے معنوی حالات اور قوتوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ انسان کی معنوی طاقتیں ایک دوسرے پر تاثیر رکھتی ہیں اور کبھی انکی تاثیر برعکس ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے اثر کو ختم کرتی ہیں ۔ اس مطلب سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدیم و جدید میں وجود انسان کی مختلف طاقتوں کے درمیان تھوڑے زیادہ تضاد کی جانب توجہ ہوئی ہے اور یہ ایک لمبی کہانی ہے ۔

سوال نمبر ۴۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ خیر اور شر کے مفہوم کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے ؟

طاقتوں اور حالات میں سے ایک جو انسان کی عقل میں یعنی انسان کی عقل عملی میں یا انسان کے عملی تفکر کے انداز میں کہ جو اچھے و برے اور خیر و شر اور ٹھیک و غلط اور ضروری و غیر ضروری اور ذمہ داری اوروظیفہ اور یہ کہ اب کیا کروں اور کیا نہ کروں اور اسی طرح کے معانی اور مفاہیم بنائے ، تاثیر رکھتا ہےاور وہ ہوا و ہوس

کی سرکشی اور لالچیں اور ضد و تعصب سے ملے ہوئے احساسات اور اسی طرح کی اور باتیں ہیں ، کیونکہ یہ انسان کے عقل عملی کے رجحان پر اس وجہ سے کہ وہ انسان کے عمل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہی شہوات اور رجحانات اور احساسات کا تعلق قرار پاتا ہے ۔

سوال نمبر ۴۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ عقل کیوں بعض اوقات روشنی نہیں دیتی ؟

جواب : بعض امور اگر اعتدال کی حد سے نکل جائیں اور انسان ان پر حاکم ہونے کے بجائے ان کا محکوم ہو جائے ، تو یہ عقل کے حکم کے مقابلہ میں حکم دیتے ہیں ، اور عقل و وجدان کی آواز کے مقابلہ میں شور مچاتے ہیں ۔ اور عقل کی آواز کے لئے مزاحم کا کردار ادا کرتے ہیں ۔ اور پھر عقل کا چراغ شعاعیں نہیں دے سکتا ۔ اس کی مثال جیسے ہم اس ماحول میں بیٹھے ہیں اور بول رہے ہیں اور سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں اس وجہ سے ہے کہ ایک بندہ بات کر رہا ہے اور دوسرے چپ ہیں ، لائٹیں روشنی دے رہی ہیں اور ماحول بھی صاف و شفاف ہے لیکن اگر اسی ماحول میں اس ایک بندہ کے ساتھ دوسرے بھی اپنے لئے بولنا شروع کر دیں اور اونچی آواز میں گانا شروع کر دیں تو

واضح ہے کہ خود بولنے والا بھی اپنی آواز نہ سن پائے گا اور اگر یہ فضا دھویں اور غبار سے بھر جائے تو کوئی کسی کو نہ دیکھ بھی نہیں پائے گا ۔

سوال نمبر ۴۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا ہواوہوس ، عقل کو کمزور کر دیتے ہیں ؟

جواب : پس یہ کہ اگر ہواوہوس انسان کے وجود میں ہوں تو عقل کی تاثیر کو کمزور کر دیتے ہیں ، عقل کے اثر کو نابود کر دیتے ہیں دوسرے الفاظ میں یہ ہواوہوس انسان کی عقل کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں ۔ حدیث میں امام صادق فرماتے ہیں : ((الھوی عدو العقل)) یعنی ہواوہوس عقل کے دشمن ہیں ۔ حضرت علی عجب اور خودپسندی کے بارے میں فرماتے ہیں : ((عجب المرء بنفسہ احد حساد عقلہ)) انسان کی خود پسندی ان امور میں سے ایک ہے کہ جو اس کی عقل سے حسد اور دشمنی رکھتے ہیں ۔

لالچ کے بارے میں فرماتے ہیں : ((اکثر مصارع العقول تحت بروق المطامع)) عقل کے کھانے والی اکثر زمین وہاں ہے کہ جہاں لالچ کی بجلی چمکے ۔

سوال نمبر ۴۹ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کون سی چیزیں انسان کی دوست اور کون سی دشمن ہیں ؟

جواب : رسول اکرم فرماتے ہیں : ((اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک)) یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہی نفس امارہ اور سرکش احساسات ہیں کہ جو سب سے زیادہ تمہارے قریب اور تمہارے دوپہلوؤں کے درمیان ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دشمن سب دشمنوں سے بڑا واضح ہے ؛ کیونکہ عقل کہ جو انسان کی بہترین دوست ہے کا دشمن ہے ۔ اسی طرح رسول اکرم نے فرمایا : ((صدیق کل امرء عقلہ)) یعنی سب کا حقیقی دوست اس کی عقل ہے ۔

سوال نمبر ٥٠ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کون سا دشمن سب سے زیادہ خطرناک ہے ؟

جواب : ہر دشمن کا مقابلہ عقل کی طاقت سے کیا جا سکتا ہے ۔ اگر کوئی ایسا دشمن سامنے آ جائے کہ جو عقل کو چُرا لے تو پس وہ سب سے زیادہ خطرناک ہے ۔ صائب تبریزی کا ایک شعر ہے کہ جو ایسے ہی ہے جیسے اس حدیث کا ہی ترجمہ ہو ، وہ کہتا ہے : بستر راحت چہ اندازیم بهر خواب خوش ما کہ چون دل دشمنی داریم در پهلوی خویش ۔ پس اس بات کی جانب توجہ ضروری ہے کہ انسان کی معنوی حالت اور طاقت کہ جن میں سے کچھ کچھ

دوسری کے ساتھ تضاد رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے میں مخالف تاثیر رکھتی ہیں اور تقریباً ایک دوسرے کے اثر کو ختم کر دیتی ہیں دوسرے لفظوں میں ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی رکھتی ہیں ۔ ہواوہوس کی دشمنی عقل کے ساتھ بھی ایسی ہی ہے ۔

سوال نمبر ۵۱ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا بصیرت اور روشن خیالی میں کتنی تاثیر رکھتا ہے ؟

جواب : تقوا کی تاثیر کا معنی عمل کی تقویت اور بصیرت کی زیادتی اور روشن خیالی میں عقل کووسعت عطا کرتے ہوئے اسے آزادی بخشتا ہے : عقل من کل ملکۃ ۔ حکماء ایسے عوامل کو جو بالواسطہ تاثیر رکھتے ہوں فاعل بالعرض کا نام دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ فاعل یا تو بالذات ہے اور یا بالعرض ۔ فاعل بالذات وہ ہے جس سے اثر براہ راست جنم لیتا ہے اور فاعل بالعرض وہ ہے کہ اثر کسی اور علت کی وجہ سے ہے اور اس علت کا کام کوئی اور کام ہے جیسے یہ کہ رکاوٹ کو دور کیا اور جونہی رکاوٹ دور ہوئی تو وہ دوسری علت نے اپنا اثر شروع کر دیا ، لیکن انسان یہی کافی سمجھتا ہے کہ اس اثر کو رکاوٹ ختم کرنے والی علت کی جانب ہی نسبت دے ۔

سوال نمبر ۵۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کون سی خصلتیں باعث بنتی ہیں کہ انسان زندگی میں اندھا اور بہرہ ہو جائے ؟

جواب : انسان ہر چیز میں شک کرسکتا ہے لیکن اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ غصہ اور شہوت ، لالچ اور حسد ، ضد اور تعصب اور خودپسندی اور ان جیسے اور کام انسان کو زندگی میں اندھا اور بہرہ کر دیتے ہیں ۔ انسان ہوس کے سامنے اندھا اور بہرہ ہے ۔ کیا اس بات میں شک کیا جا سکتا ہےکہ انسان کے عادی اور معمولی حالات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے عیب کو نہیں دیکھتا اور دوسروں میں دیکھتا ہے جبکہ وہ خود اس عیب میں زیادہ گھرا ہوتا ہے ؟ کیا اپنے عیب کو دیکھنے سے اندھا پن خود پسندی و عُجب اور غرور کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ؟ پس یہی خصلتیں ہیں جو انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہیں ۔

سوال نمبر ۵۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا احساسات اور جذبات پر بھی تاثیر رکھتا ہے ؟

جواب : تقوا اور پاکیزگی ایک اور چیز میں بھی تاثیر رکھتے ہیں اور وہ جذبات اور احساسات ہیں کہ جذبات کو

نرم کرتا ہے ۔ ایک با تقوا انسان کہ جس نے خود کو پلیدیوں اور برے و گندے کاموں سے بچایا ، سود اور ملاوٹ ، غلامی اور خوشامد سے اپنے کو دور رکھا ، اپنے ضمیر کی بناوٹ کو پاکیزہ رکھا ، اپنی عزت و آزادی اور توقیر کی حفاظت کی ، جس کی توجہ معنی تھا نہ کہ مادہ، اس جیسے شخص کے احساسات اور اس آدمی کے جذبات جو برائیوں و پلیدیوں اور مادیات میں غرق ہے یہ دونوں کبھی ایک ہو ہی نہیں سکتے ۔ مسلم ہے کہ اس کے احساسات بلند اور نرم ہیں ۔ معنوی خوبصورتی کے مقابلہ میں اس کے تاثرات زیادہ ہوں گے ۔ دنیا کو کسی اور انداز اور خوبصورتی کے ساتھ دیکھتا ہے ، عالَم میں جو عقلی جمال موجود ہے اسے بہتر حس کرتا ہے ۔

سوال نمبر ۵۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ ہوش اور ذہانت کا معنوی الطاف کے ساتھ کیا رابطہ ہے ؟

جواب : یہ نرمی اور نزاکت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان تقوا اور معنویت کی طرف زیادہ توجہ کرے ، غصہ اور شہرت کے دیو کا قیدی نہ ہو ، آزادی اور عظیم شخصیت کا مالک ہو ۔ اگر کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ماضی کے روشن ضمیر شاعروں کو اپنی طرح آلودہ اور

پلیدظاہر کریں اور یہ ثابت کریں کہ ان میں یہ برائیاں تھیں تو یہ اور بات ہے ۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایک انسان کہ جو آلودہ اور پلید ہے جتنی بھی زیادہ ہوش اور ذہانت کی طاقت رکھتا ہو معنوی اور روحی الطاف کے پانے سے قاصر ہے اور وہ ایسے لطیف اور نرم معانی کہ جو بعض کی گفتگو میں ملتے ہیں ، انہیں اپنے ایجاد ہی نہیں کر سکتا ۔

سوال نمبر ۵۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا کے ذریعے مشکلات سے نجات پائی جا سکتی ہے ؟

جواب : تقوا کا ایک اور اثر کہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے :((و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا)) جو بھی خدا کا تقوا رکھتا ہو خداوند اس کے لئےمشکلات اور مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے ۔ اور یہ بھی فرماتا ہے : ((و من یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا)) جو بھی خدا کا تقوا رکھتا ہو خداوند متعال اس کے کام میں ایک قسم کی آسانی اور سہولت رکھ دیتا ہے ۔

سوال نمبر ۵۶: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا اور مشکل کے بارے میں حضرت امیرالمؤمنین کی کیا رائے ہے ؟

جواب :حضرت امیرالمؤمنین فرماتے ہیں : ((فمن اخذ بالتقوی عزبت عنہ الشدائد بعد دنوا واحلولت لہ الامور بعد مرارتھا ، وانفرجت عنہ الامواج بعد تراکمھا ، و اسھلت لہ الصعاب بعد انصابھا)) یعنی جو بھی تقوا کے دامن کو پکڑ لے سختیاں اور مشکلات اس کے پاس ہونے کے باوجود اس سے دور ہو جائیں گی اور وہ کام کہ جو اسے کڑوے لگتے تھے میٹھےہو جائیں گے اور وہ موجیں کہ جو اکٹھی ہوئی تھیں کہ اسے بہا لے جائیں وہ اس سے دور ہٹ جائیں گی ، ہرمشقت والا کام اس پر آسان ہو جائے گا ۔

سوال نمبر ۵۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا ذہین انسان اچھی طرح زندگی کے راستہ کا انتخاب کر سکتے ہیں ؟

جواب : کبھی ایسے افراد دیکھے جاتے ہیں کہ جو علمی مسائل میں بہت زیادہ ذہین اور باریک بین اور دوسروں سے بہت زیادہ آگے ہیں ، لیکن یہی لوگ زندگی اور جس راستہ کا انتخاب کرنا چاہیے اس مسئلہ میں سر گرداں اور حیران افراد کی طرح ہیں ، اور وہ لوگ جو عام صلاحیتوں کے مالک ہیں اور جن کا ہوش ان سے بہت زیادہ پیچھے ہے زندگی کی مصلحتوں کو اچھی طرح اور روشن دیکھتے ہیں

۔ لہذا یہ فکر پیدا ہوئی کہ انسان میں دو چیزیں ہیں : ایک ہوش اور دوسری عقل ۔ کچھ زیادہ ہوش رکھتے ہیں اور کچھ زیادہ عقل ۔ لیکن حقیقت یہ ہے ہم دو طاقتیں نہیں رکھتے کہ جن میں سے ایک کا نام ہوش ہو اور ایک کا نام عقل ہو ۔

سوال نمبر ۵۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ ایک انسان روح کی مطلق سلامتی کیسے حاصل کر سکتا ہے ؟

جواب : حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں : ((قد احیی عقلہ و امات نفسہ حتی دق جلیلہ و لطف غلیظہ و برق لہ لامع کثیر البرق ، فابان لہ الطریق و سلک بہ السبیل ، فتدافعتہ الابواب الی باب السلامۃ)) جس نے اپنی عقل کو زندہ کیا اور نفس امارہ کورام کر لیا یہاں تک کہ اس کی کوشش کا اثر اس کے بدن میں ظاہر ہوا اور اس کی ہڈیوں کو نازک اور اس کے وجود کے کھردرے پن کو نرمی میں تبدیل کر دیا ۔ اس دوران ایک تیز بجلی اس کے لئے چمکتی ہے اور اسے راستہ دکھاتی ہے اور اسے راستہ میں ڈال دیتی ہے اور اسے لگاتار اِس دروازے سے اُس دروازے اور اِس مرحلہ سے اُس مرحلہ کی طرف حرکت دیتی ہے یہاں تک کہ وہ مطلق سلامتی کے باب تک پہنچ جائے ۔

سوال نمبر ۵۹ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ انسان ، زندگی میں کِن مشکلات کا سامنا کرتا ہے ؟

جواب : یہاں لازمی ہے کہ ایک تمہید عرض کروں کہ انسان کے لئے جو مشکلات اور پریشانیاں پیش آتی ہیں اور وہ سختیاں کہ جن سختیوں میں انسان گِھر جاتا ہے وہ دو طرح کی ہیں : ایک قسم مشکلات کی ایسی ہے کہ جس میں انسان کے ارادہ و اختیار کا کوئی عمل دخل نہیں ، جیسے کہ کشتی پر سوار ہے اور سمندر میں طوفان آ جائے ، ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اسی طرح کی سختیاں اور مشکلات کہ جو بغیر پیشگوئی اور بغیر اس کے کہ ان میں انسان کے ارادہ و اختیار کا عمل دخل ہو ممکن ہے سب کے درپیش ہوں ۔ اور مشکلات اور سختیوں کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن میں انسان کا ارادہ و اختیار عمل دخل رکھتے ہیں کہ وہ ان مشکلات میں جائے یا نہ جائے اور اگر داخل ہو جائے تو کیسے نکلے ، دوسرے الفاظ میں اخلاقی اور اجتماعی مشکلات ۔

سوال نمبر ۶۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا تقوا ہر قسم کی مشکلات کو انسان سے دور کرتا ہے ؟

جواب : تقوا کی ایک تاثیر انسان کو پہلی قسم کی مشکلات سے نجات دلاتی ہے اور تقوا کی ایک اور تاثیر دوسری قسم کی مشکلات سے ۔ لیکن پہلی قسم کے بارے میں ابھی اظہار نظر نہیں کر سکتا کہ قرآن کا بیان اس قسم کی مشکلات کو شامل ہے یا نہیں ؛ لیکن کوئی ممانعت بھی نہیں کہ ایک ایسی عزت دنیا میں موجود ہو اور ایک الہی ضمانت کی قسم ہو ، جیسے دعا کی قبولیت ۔ لیکن نہج البلاغہ میں ایک جملہ ہے کہ اسے اس مطلب سے تفسیر کیا جا سکتا ہے کہ مشکلات سے نجات سے مراد دوسری قسم ہے ، بہر حال تقوا انسان کی بہت ساری مشکلات کو دور کردیتا ہے بالخصوص انسان کی روح سے مربوط مشکلات کو تو حتما حل اور دور کردیتا ہے ۔

سوال نمبر ۶۱ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ اخلاقی اور اجتماعی مشکلات کیا ہیں ؟

جواب : فتنے وہی بری ابتلائات اور اخلاقی و اجتماعی مشکلات ہیں ۔ پہلی قسم کی مشکلات نادر الوجود ہیں ۔ انسان کو پیش آنے والی زیادہ تر مشکلات و سختیاں کہ جو اس کی زندگی کو تلخ اور بدبختی سے آلودہ کر دیتی ہیں اور انسان سے ہر طرح کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کو چھین لیتی

ہیں یہی فتنے اور بُری ابتلائات اور اخلاقی و اجتماعی مشکلات ہیں ۔

سوال نمبر ۶۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا انسان خود اپنا دشمن ہو سکتا ہے ؟

جواب : اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اکثر مشکلات کا مصدر خود انسان ہے اور ہر کوئی اپنے لئے خود سب سے بڑا دشمن ہے ۔ ((اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک)) ہر کوئی اپنے لئے خود تقدیر کو چُنتا ہے ۔ ہر کسی کے اپنے لئے اکثر کام دشمنانہ ہیں کیونکہ انسان اپنی سر نوشت پر حاکم ہے لہذا وہ اپنا ہی سب سے بڑا دشمن بھی بن سکتا ہے اور دوست بھی ہو سکتا ہے ۔

سوال نمبر ۶۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان باتقوا انسان کے ذہن میں خطور کر سکتا ہے ؟

جواب : قرآن مجید سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۱ میں فرماتا ہے : ((ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون)) با تقوا لوگوں پر اگر کبھی شیطانی فکر گزرے اور ان کی جان کو چھوئے اور ان کی روح کو تاریک کرے تو وہ تذکر پاتے ہیں اور یاد خدا میں محو ہو جاتے ہیں اور اپنی بصیرت کو دوبارہ پا لیتے ہیں ۔

اسی وجہ سے کہ تقوا جب اپنا پہلا اثر یعنی روشن خیالی اور بصیرت کی زیادتی کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے ہے تو اپنا دوسرا اثر یعنی ہلاکتوں سے نجات بھی اس کے ہمراہ ہے ۔

سوال نمبر ۶۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کون سی چیز ہمارے دلوں کی تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر سکتی ہے ؟

جواب : مشکلات اور سختیاں تاریکی سے پیدا ہوتی ہیں ، گناہوں اور ہواوہوس کے غبار کی تاریکی ۔ جب تقوا کا نور آتا ہے تو راستہ کنویں سے الگ دکھائی دیتا ہے اور انسان مشکلات میں بہت کم مبتلا ہوتا ہے اور اگر گِھر جائے تو بھی تقوا کی روشنی میں باہر جانے کا راستہ اچھی طرح ڈھونڈ لیتا ہے ۔

سوال نمبر ۶۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیوں باشخصیت انسان اچھا فیصلہ کرتے ہیں ؟

جواب : تقوا اور اپنے کو سنبھالنا سبب بنتا ہے کہ انسان اپنے وجود کی ذخیرہ شدہ طاقتوں کو لہو و لعب اور حرام راہوں میں ضایع نہ کرے ، اور ہمیشہ ذخیرہ شدہ طاقت رکھتا ہو ۔ واضح سی بات ہے کہ ایک قدرت مند ، باارادہ اور باشخصیت انسان بہتر فیصلہ کرتا ہے اور اچھی طرح

خود کو نجات دلا سکتا ہے ۔ اسی طرح جیسے نور اور روشنی رکھنا ، نجات اور رہائی کے لئے راستہ اور وسیلہ ہے ، طاقت اور توانائی رکھنا بھی اپنی جگہ پر ایک وسیلہ اور راستہ ہے کہ جسے خداوند متعال نے قرار دیا ہے ۔

سوال نمبر ۶۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا باتقوا انسان مشکلات کے وقت منتظر رہیں تا کہ خدا وند انہیں نجات دے ؟

جواب : جب انسان ابا عبداللہ الحسین کے ان کلمات اور خطابات کی جانب دیکھتا ہے جو انہوں نے اپنے محترم خاندان سے کہے کہ کیسے ایمان اور اطمینان کے ساتھ انہیں تسلی دے رہے ہیں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہے : یا رب ! یہ کون سا سکون اور اطمینان ہے اور اس ضمانت کو کہاں سے لیا تھا ؟! کتابوں میں لکھا ہے ((ثم ودع ثانیا اهل بیتہ)) دوسری بار اپنے اہلبیت سے رخصت ہوئے ، انہیں فرمایا : ((واستعدوا للبلاء و اعلموا ان اللہ حافظکم و حامیکم))سختیوں کو جھیلنے کے لئے آمادہ اور تیار رہو اور جان لو کہ خدا تمہاری حمایت اور حفاظت کرے گا ((و سینجیکم من شر الاعداء و یجعل عاقبۃ امرکم الی خیر)) تمہیں نجات دے گا اور آخر میں تمہارے کام کو نیک کرے گا ((و یعذب

اعادیکم بانواع البلاء ، و یعوضکم اللہ عن ھذہ البلیۃ بانواع النعم و الکرامۃ)) تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کرے گا اور تمہیں ان مشکلات اور سختیوں کے بدلے مختلف نعمتیں اور کرامتیں دے گا ۔

((فلا تشکو و لا تقولوا بالسنتکم ما ینقص من قدرکم)) شکوہ نہ کرنا اور ایسی بات زبان پر نہ لانا کہ جس سے تمہاری قدروقیمت کم ہو جائے ۔

سوال نمبر ۶۷ : برائے مہربانی امر بہ معروف اور نہی از منکر کے بارے میں کچھ وضاحت فرما دیں ؟

جواب : امر بہ معروف و نہی عن المنکر اسلام کے عملی اصولوں میں سے ایک ہے اور کیونکہ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جو صراحت اور تاکید کےساتہ خود قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور پھر احادیث نبوی اور آئمہ طاہرین میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا اور پھر علمائے دین اور بزرگان نے تمام صدیوں میں اس اصول اور اس کی اہمیت کے بارے میں کہا اور لکھا ہے ، علمائے اسلامی کے درمیان بہت زیادہ مورد بحث واقع ہوا ہے اور سب سے زیادہ فقہی کتابوں میں مورد بحث و گفتگو اور تحقیق قرار پایا ہے ۔

سوال نمبر ۶۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں قرآن کی کیا نظر ہے ؟

جواب : انسان جب ان ارشادات اور بیانات کی جانب رجوع کرتا ہے کہ جو دین کے مقدس آثار میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے میں وارد ہوئے ہیں اور وہ سب فوائد کہ جو اس مقدس اصول کے بارے میں بیان ہوئے ہیں ، مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے : ((والمؤمنون و المؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و یقیمون الصلوٰة و یؤتون الزکاة و یطیعون الله و رسولہ اولئک سیرحمهم الله ان الله عزیز حکیم)) یعنی مرد اور مؤمن خواتین ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ان کے درمیان مودت اور محبت آمیز عواطف حکم فرما ہیں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں ، نماز قائم کرتے ہیں ، زکات دیتے ہیں ، خدا اور پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں ، اور یہی ہیں کہ الله کی رحمت جن کے شامل حال ہوتی ہے .

سوال نمبر ۶۹: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نتیجہ کیا ہے ؟

جواب : امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نتیجہ لوگوں کاپروردگارکی عبادت اور خضوع یعنی نماز کے لئے اٹه کھڑے ہونا ہے اور فقرا کی مدد اور ان کا ہاته پکڑنا یعنی زکات کے لئے اٹه کھڑے ہونا ہے اور بالآخر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نتیجہ خدا اور رسول کی اطاعت اور دین کے تمام دستورات کا زندہ ہو جانا ہے ۔ اور ان سب کا لازمہ یہ ہے کہ خداوندقادر کہ جو اپنے کاموں کو حکیمانہ طرز پر چلاتا ہے کی وسیع رحمت انسان کے شامل حال ہوجاتی ہے ۔

سوال نمبر ۷۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ حلال روزی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے ؟

جواب : حدیث میں آیا ہے کہ حضرت امام باقر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں فرماتے ہیں : ((بها تقام الفرائض و تامن المذاهب و تحل المکاسب و نرد المظاهر و تعمر الارض و ینتصف من الاعداء و یستقیم الامر ۔)) یعنی اس اصول کے ذریعے تمام احکام زندہ ہوتے ہیں ، راستے پُرامن ہو جاتے ہیں روزی حلال ہو جاتی ہے ، لوٹا ہوا مال ان کے اصلی مالکوں کو لوٹایا جاتا ہے ، زمین آباد

ہو جاتی ہے ، دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے ، کام سیدھے ہو جاتے ہیں ۔

سوال نمبر ۷۱ : برائے مہربانی اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو بیان فرمائیے ؟

جواب : اگر اسلامی تعلیمات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس قدر وسیع نہ ہو تا تو ہمیں یہ نہ کہتے کہ : ((بها تقام الفرائض و تامن المذاهب و تحل المكاسب و نرد المظاهر و تعمر الارض و ينتصف من الاعداء و يستقيم الامر))

کیونکہ یہ چھوٹی اور محدود سی فکر جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے ہمارے ذہنوں میں موجود ہے اس پر جتنا بھی عمل ہو کم ہے کیونکہ اس کے نتائج بہت ہی عظیم ہیں جنہیں اس محدود فکر سے درک کرنا مشکل ہے ۔

سوال نمبر ۷۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ذہن میں کیسے قوی کیا جا سکتا ہے ؟

جواب : کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فکر لوگوں کی نگاہ میں محدود ہو چکی ہے اور لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اپنی اجتماعی

زندگی کے کاموں کو سنوارنے کی طرف توجہ نہیں رکھتے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کبھی بلدیہ ایک قدم خوراک اور کھانے پینے کی چیزوں کی اصلاح کے لئے بڑھائے یا ایک قدم شہر کی صفائی کے لئے بڑھانا چاہے ، یہ چاہیں کہ مہنگائی کو کنٹرول کریں یا گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے قوانین معین کریں تو لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ ایک مذہبی کام ہے کیونکہ وہ یہ احساس نہیں کرتے کہ یہ بھی ایک وظیفہ کا دینی پہلو ہو سکتا ہے اور اب صاحب جواہر کے بقول : ہر وسیلہ اور راستہ سے کام کرنا چاہیے کہ معروف قوی اور منکر نابود ہو جائے ۔ لوگوں کی فعلاً ان کاموں میں عدم دلچسپی کی علت یہ ہے کہ وہ ان کاموں کو معروف اور منکر کی حد سے باہر سمجھتے ہیں ۔

سوال نمبر ۷۳: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معنی کو کیونکر صحیح سمجھا جائے ؟

جواب : عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جیسے انسان جب دینی رہبران کی وصیتوں اور سفارشات کی طرف رجوع کرتا ہے یا اس اصول کی تاریخ کو دیکھتا ہے تو افسوس کرتا ہے کہ آج اس اصول پر کیوں عمل نہیں ہو رہا ، اور جب امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر ہونے والے وحشتناک مناظر کی جانب نگاہ کرتا ہے تو سوچتا ہے کہ خدا کا شکر کہ کتنا اچھا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو گئے اور کاش کہ جو بچ گئے ہیں وہ بھی نابود ہو جائیں ۔ ان دنوں ہماری اجتماعی زندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کےنام پر ایسی چیزیں پیدا ہوئی ہیں کہ کہنا چاہیے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ مطلب ہے تو اچھا ہے کہ یہ ترک ہو جائے ۔

سوال نمبر۷۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ آج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک بھولی ہوا اصول کیوں سمجھتے ہیں ؟

جواب : آقای آیتی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو بھولا ہوا اصول کے نام سے یاد کیا ہے ۔یہ ٹھیک ہے کہ یہ ایک بھولا ہوا اصول ہے لیکن یہ دیکھا جائے کہ کیوں بھول گیا ؟ میں یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بھی دوسرے مسائل کی طرح بیرونی علتوں کی جانب توجہ کرنے سے پہلے ، حضرت امیر المؤمنین کی جانب منسوب معروف سخن کو نہ بھولیں کہ انہوں نے فرمایا : ((دواؤک فیک و داؤک منک)) تمہاری دوا تمہارے اندر

ہے اور تمہارے درد کی وجہ تم ہی ہو ۔ یہ ہم ہی ہیں کہ اس اصول کو اس حالت میں لے آئے کہ لوگوں کو بیزار کر دیا اور اس اصول کو بُھلا دیا ۔

سوال نمبر۷۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کیا شرائط ہیں ؟

جواب : اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جاری کرنے کے حوالے سے کچھ شرایط رکھتے ہیں ۔ پہلی شرط نیت کا ٹھیک ہونا اور اخلاص ہے ۔ ہم صرف ان منکرات کو روک سکتے ہیں کہ جو ظاہر ہوں اور ان کے ذریعہ گستاخی ملتی ہو ۔ جاسوسی اور لوگوں کی خصوصی زندگی سے مربوط کاموں میں مداخلت کرنے کا حق نہیں رکھتے   ۔

سوال نمبر ۷۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا معروفوں (اچھائیوں) اور منکروں (برائیوں) کا علم اور انہیں پہچاننا ضروری ہے ؟

جوا ب : آقای نجفی مرحوم نے فرمایا : کیا حقیقت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہی ہے کہ جو تم نے کیا ، نہی عن المنکر کے نام پر کتنے منکروں کے مرتکب ہوئے ہو : پہلی بات کہ شادی کی محفل تھی ، دوسری بات آپ جاسوسی کا حق نہیں رکھتے ، تیسری بات یہ کہ آپ کس

اختیار سے لوگوں کی چھتوں سے گزرے ، چوتھی یہ کہ کیا آپ کو کسی نے اجازت دی تھی کہ جاؤ اور لڑائی کرو ؟
اس طرح کے قصے قدیم میں بہت زیادہ تھے لیکن آج نہیں ، لیکن آج بھی یہ بات جان لیں کہ بہت سارے نہی عن المنکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قانون کے مطابق نہیں ؛ بلکہ وہ خود ایسے منکر ہیں کہ جنہیں روکنا چاہیے ۔

سوال نمبر ۷۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ زبان کس وقت حقایق کو روشن کر سکتی ہے ؟

جواب : یہ خود ایک عظیم غفلت اور بڑی غلطی ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں کہنے اور لکھنے اور خطابت و مقالہ جات الغرض زبان اور زبان کے مظاہر کے لئے اندازہ سے بڑھ کر قدروقیمت کے قائل ہیں اور حد سے زیادہ توقع رکھتے ہیں ۔ حقیقت میں زبان سے معجزہ چاہتے ہیں ۔ لازماً بولنا اور لکھنا لازمی شرط ہےلیکن اگر اس طرح ہو کہ جیسے قرآن نے فرمایا ہے ، حکمت اور نیک نصیحت ہو حقایق کو روشن کرے ، اور صرف آمرانہ اور حکم و فرمان والی نصیحتیں نہ ہوں ، کیونکہ یہ پوری شرط یا مکمل علت نہیں اور کیونکہ زبان سے حد سے زیادہ توقع رکھتے ہیں اور لوگوں کے کانوں سے بھی حد سے زیادہ توقع

رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ صرف زبان اور کان سے سارے کاموں کو انجام دیں اور جب کام نہ ہوں تو پریشان ہو جاتے ہیں اور نالہ و فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں :

گوش اگر گوش تو و نالہ اگر نالہ من آنچہ البتہ بہ جای نرسد فریاد است

سوال نمبر ۷۸ : برائے مہربانی دینی علوم کے بارے میں توضیح بیان فرمائیں ؟

جواب : دینی علوم یعنی وہ علوم کہ جو بدون واسطہ دین کے عملی یا اخلاقی یا اعتقادی مسائل کے ساتہ مربوط ہیں یا ایسے علوم کہ جو دین کے احکام اور دستوارات یا معارف کے جاننے کے لئے مقدمہ ہے ، ادبیات عرب یا منطق کی طرح ،شاید بعض یہ سوچیں کہ باقی تمام علوم دین سے بیگانے ہیں اور اسلام میں جتنی علم کی فضیلت اور اجر و ثواب اس کے حاصل کرنے کا ہوا ہے اس علم کے لئے ہے کہ جسے عرف میں علم دین کہا جاتا ہے ، یا اگر پیغمبر اکرم نے علم کو فریضہ کہا ہے تو مراد یہی علم ہے کہ جسے عرف میں علم دین کہتے ہیں -

سوال نمبر ۷۹: برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ رسول اللہ کے قول کے مطابق علم کس چیز میں منحصر ہے ؟

جواب : پیغمبر اکرم نے فرمایا : ((انما العلم ثلاثۃ : آیۃ محکمۃ و فریضۃ عادلۃ و سنۃ قائمۃ)) کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ : علم منحصر ہے آیات قرآن کے یاد کرنے میں اور حدیث پیغمبر کو سمجھنے میں ، یہ اس زمانے کے مسلمانوں کی حالت اور تکلیف دکھاتا ہے لیکن بعد میں مسلمان ان پہلے متون کو جو اسلام کے اساسی قانون کی جگہ ہیں سے آشنا ہوئے اور قرآن و حدیث پیغمبر کے فرمان سے علم کو بہ طور مطلق ایک مسلم فرض کی حیثیت سے جانا اور پھر آہستہ آہستہ علوم تدوین ہونا شروع ہوئے اور وجود میں آئے ۔ لہذا دوسری نگاہ سے ہر وہ علم کہ جو مسلمانوں کی حالت بہتر کرنے کے لئے مفید ہو اور مسلمانوں کی مشکلات کی گرہ کھولے وہی علم دینی فریضہ اور علم دین ہے ۔

سوال نمبر ۸۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کس قسم کے علم کو علوم دینی میں سے سمجھا جا سکتا ہے ؟

جواب : ہر وہ علم کہ جو اسلام اور مسلمین کی حالت کے لئے نفع بخش ہو اور ان کے لئے ضروری ہو اسے علوم دینی میں شمار کرنا چاہیے اور اگر کوئی خالص نیت رکھتا ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے اس علم کو

حاصل کرے ، تو جو ثواب اور اجر علم کے حاصل کرنے کے لئے ذکر ہوا ہے وہ ان میں شامل ہے اور وہ اس حدیث میں بھی شامل ہے کہ : ((و ان الملائکۃ لتضع اجنحتها لطالب العلم)) فرشتے طالب علم کے پاؤں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں ۔ لیکن اگر نیت خالص نہ ہو تو کسی بھی علم کی تحصیل چاہے وہ قرآن کی آیات کو یاد کرنا ہی ہو ، کوئی اجر و ثواب نہیں رکھتا ۔

سوال نمبر ۸۱ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ جہاد مقدس کن پر واجب ہے ؟

جواب : یہ واجب (جہاد مقدس) صرف خاص لوگوں کی ہی ذمہ داری نہیں ، یہ ہر اس کی ذمہ داری ہے کہ جو مسلمان ہے اور مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہے چاہے حکومت ہو چاہے عوام ، لازم ہے کہ جہاد مقدس صورت میں سامنے آئے اور دین کے فرمان پر ہو اور دینی رنگ رکھتا ہو ، پس علماء یہ افتخار حاصل کریں اور سب سے آگے رہیں مؤمنین اور مقدس لوگ علم اور مدرسہ سے نہ ڈریں اور یہ نہ سوچیں کہ اگر علم آیا تو دین چلا جائے گا ۔ یہ اسلام سے سوء ظن ہے ۔ اسلام وہ دین ہے کہ جو جہالت کے ماحول سے زیادہ پڑھے لکھے ماحول میں ترقی کرتا ہے ۔اگر ہم یہ

جان لیتے کہ جہل اور جہالت ہم پر اور اسلام پر کیا لے کر آئے ہیں تو علم اور مدرسہ سے ڈرنے کے بجائے جہالت و نادانی اور اَن پڑھی سے وحشت کرتے ۔

سوال نمبر ۸۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا علم اکیلے معاشرہ کی سلامتی کی ضمانت بن سکتا ہے ؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اکیلے معاشرہ کی کامیابی کا ضامن نہیں ۔ معاشرہ ، کے لئے دین اور ایمان ضروری ہیں ۔ بالکل اسی طرح کہ جب ایمان علم کے ساتہ ملا ہوا نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ مصیبت ہے ۔ ((قطع ظهری اثنان عالم متهتک و جاهل متنسک)) اسلام نہ تو بے دین عالم چاہتا ہے اور نہ جاہل دیندار ۔ لیکن یہ جو ہم کہتے ہیں ((چو دزدی با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا)) اور اسے پڑھے لکھے بے ایمان سے تطبیق دیتے ہیں اور پھر نتیجہ لیتے ہیں کہ پس علم کا خطرہ ، جہل کے خطرہ سے زیادہ ہے ، یہ ایک طرح کا مغالطہ اور دھوکہ ہے ۔

سوال نمبر ۸۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ فقر اور مرض اور بے انصافی سے کیسے چھٹکارا پائیں ؟

جواب : بہرحال اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ صحیح دین رکھتے ہوں ، اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ فقر سے چھٹکارا پائیں ، اگر ہم

یہ چاہتے ہیں کہ مرض سے نجات حاصل کریں ،اور ہمارے درمیان عدالت جاری ہو ، اگر ہم آزادی اور ڈیموکریسی رکھنا چاہتے ہوں ، اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ حال حاضر کے برخلاف اجتماعی کاموں میں توجہ دے ، تو اس کا راستہ صرف علم ہے اور علم ، اور وہ بھی ایسا علم کہ جو عام ہو اور دین کے راستہ سےایک مقدس جہاد کی صورت میں سامنے آئے ۔ اگر ہم اس مقدس جہاد کو شروع نہ کریں گے تو دنیا شروع کر دے گی اور اس کا پھل بھی وہی حاصل کریں گے ، یعنی دوسرے آئیں گے اور ہماری قوم کو جہالت کے بھنور سے نجات دیں گے اور خدا جانتا ہے کہ اس وقت ہماری یہ غفلت اسلام کے پیکر پر کتنا بڑا زخم لگائے گی ۔

سوال نمبر ۸۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا علم کی ترقی اور علم سکھانے کے لئے کوئی قدم اُٹھایا گیا ہے یا نہیں ؟

جواب : بعض اسلامی ممالک میں کچھ سال پہلے تک ان کے چھیانوے فیصد ان پڑھ تھے کہ آہستہ آہستہ بہتر ہو رہے ہیں اور اسّی فیصد تک پہنچ گئے ہیں ۔ دو سال پہلے ایشیایی ممالک میں یونیسکو کے نمائندوں نے کراچی میں کانفرنس

بلائی اور اس میں ایشایی ممالک کو پڑھا لکھا کرنے کے لئے بیس سالہ نقشہ بنایا ۔ ایسا نقشہ کہ جو باریک بینی اور صحیح اور منظم اعداوشمار اور تمام وسائل کو مدنظر رکھ کر بنایا گیا ۔ عام لوگوں‌میں جذبہ اور رغبت ایجاد کی ہے ۔

سوال نمبر ۸۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کون سے لوگ ، دوسروں کے دلوں اور روحوں کے مالک بن سکتے ہیں ؟

جواب ؛ ہر وہ گروہ کہ جو آئے اور ایک ملت کو زندہ کرے انہیں جہالت اور فقر اور بدبختی سے نجات دلائے ، تو ان لوگوں کے عقیدوں اور روحوں اور دلوں کے مالک ہو جائیں گے ۔ پس یہ صورت جو سامنے آئی ہے اس سے ہم یہ پیش بینی واضح طور پر کرسکتے ہیں کہ ہم بعد میں آنے والی نسلوں کے مالک نہیں ہوں گے ۔

سوال نمبر ۸۶ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ جوانوں میں سے دینی رغبت ختم ہونے سے ، کسے فائدہ پہنچتا ہے ؟

جواب : اگر اسلامی ممالک میں جوانوں کو دینی رغبت دینے والے اسباب میں سے کوئی سبب ختم ہو جائے تو اس کا فائدہ کیمونیزم کو پہنچے گا ۔ پس اس خطرہ کامقابلہ کرنا ہو گا ۔ اس خطرےسے مقابلے کا طریقہ کیا ہے ؟ کیا اس کا طریقہ

یہ ہے کہ حسب معمول منفی کردار اپنائیں اور لڑائی و جھگڑا شروع کر دیں یہ درست نہیں ہے ، یونیسکو کو کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں کو تعلیم دے اور اس بارے میں زحمت اٹھائے اور دولت خرچ کرے ، اور دوسرے فلاحی اداروں کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی بیماریوں اور ملیریا کے مچھروں کا مقابلہ کریں ۔ انہیں اس سے کیا مطلب وہ کیوں ٹانگ اڑاتے ہیں ۔

آپ سوچیں کہ کیا اس طرح کی بات صحیح ہے ؟ کیا دنیا یہ بات ہم سے قبول کرے گی ؟ کیا خود مسلمان قومیں اس بات کو ہم سے مانیں گی ؟ یا طریقہ یہ ہے کہ کمر ہمت باندھ لیں اور ایک مقدس جہاد کا آغاز کریں ۔

سوال نمبر ۸۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا خدا کے وجود پر یقین رکھنے کا لازمہ یہ ہےکہ زمان محدود ہو ؟

جواب : ((فاینما تولوا فثم وجہ اللہ)) اس کا معنی یہ ہے کہ خدا ہر جگہ پر موجود ہے ، پس مکان کے محدود ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ ، توحید کے مسئلہ میں اثر نہیں رکھتا اس بات کو زیر نظر رکھیں تا کہ بہت ساری باتیں ختم ہو جائیں ۔ اس سے بھی بڑا مسئلہ زمانہ کے محدود ہونے یا نہ ہونے کا بھی اسی طرح ہے ۔ مکان میں یہ بات بہت کم کی جاتی

ہے جبکہ زمانہ میں بہت زیادہ ۔ بہت سارے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا کے وجود پر یقین رکھنے کا لازمہ یہ ہے کہ زمانہ محدود ہو یعنی عالَم ابتداء رکھتا ہو جبکہ یہ بات بالکل درست نہیں ہے ۔

سوال نمبر ۸۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ عالَم خدا رکھتا ہے ، کا لازمہ کیا ہے ؟

جواب : اگر یہ عالم ابتداء رکھتا ہے تو کسی اور شکل میں ایک اور عالم ہونا چاہیے ، شاید یہ بحث بعد میں بیان کی جائے ۔ عالم خدا رکھتا ہے کہ خدا بالذات فیاض ہے ، قدیم الاحسان ہے ، کا لازمہ یہ ہے کہ جب سے خدا ہے مخلوقات رکھتا تھا ۔ توحید کی اصل یہی ہے کہ ایسے ہی کہا جائے البتہ یہ مسئلہ ابھی تک علمی طور پر ثابت نہیں ہوا ۔ میری عرض یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ اس بات کو اپنے کانوں سے نکال دیں کہ زمانہ کوحتماً محدود شمار کریں تا کہ خدا کو ثابت کیا جا سکے ۔ اور یہ بہت سارے یورپین موحدین کی فکر میں ہے ۔

سوال نمبر ۸۹ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیسے ایک موجود اپنی سیر تکاملی کو طی کرتا ہے ؟

جواب : جب ایک موجود امتحان اور عمل کے میدان میں آئے ، اپنی تکاملی سیر کو طی کرتا ہے ، بڑھتا ہے ، ترقی کرتا ہے ، ان تمرینی کاموں کی طرح ہے کہ جو ایک ورزش کار میچ سے پہلے کرتے ہیں ۔ اس لئے نہیں کرتا کہ کوچ سمجھ لے کہ ہر کوئی کتنا کھلاڑی ہے ، بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ خود کو تیار کرے ، اس لئے ہے کہ جس کی قوت رکھتے ہیں اسے ظاہر کر سکیں ۔

سوال نمبر ۹۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ خداوند کیسے انسانوں کی باطنی طاقتوں کو ظاہر کرتا ہے ؟

جواب : خداوند تبارک و تعالی اس دنیا میں جو مشکلات اور مصیبتیں انسان کے روبرو کرتا ہے بلکہ قرآن کی ایک اور تعبیر کے مطابق اس دنیا میں جو نعمتیں انسان کو عطا کرتا ہے ، اس لئے ہیں کہ باطنی طاقتیں ظاہر ہوں ، یعنی قوت سے فعل میں پہنچیں ۔ انسان کی روحانی حالت ، بالکل بچے کی طرح ہے کہ جو جسمی لحاظ سے تو ایسے ہے کہ ابھی اس دنیا میں آیا ہے لیکن یہ قدرت رکھتا ہے کہ ایک کامل جوان بن جائے لیکن اب جو اس کو نہیں رکھتا تو ضروری ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھے تا کہ ایک کامل جوان بن جائے ۔

سوال نمبر ۹۱ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ انسان کیسے حد کمال تک پہنچ سکتے ہیں ؟

جواب : انسان کے نفسانی اور واقعی کمالات (یعنی جن کی استعداد رکھتا ہے) جو پہلے بالقوہ حد میں ہیں انہیں پروان چڑھا سکتا ہے ؛ لیکن اب جب کہ نہیں تو ایک طرف مشکلات اور سختیوں کی وجہ سے اور دوسری طرف اسے دی جانے والی نعمات کے ذریعے ایک امتحان کے میدان میں واقع ہو جاتا ہے تا کہ حد کمال تک پہنچے -((و لنبلونکم بشیء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس و الثمرات و بشر الصابرین)) ضروری ہے کہ یہ مشکلات پیش آئیں اور انہی سختیوں کی وجہ سے صبر اور قوت مدافع ، مضبوطی اور کمال انسان میں پیدا ہوتے ہیں -اس وقت یہی خوشخبری اور بشارت بن جاتے ہیں -

سوال نمبر ۹۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ شیطان کن لوگوں پر مسلط ہو جاتا ہے ؟

جواب : ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے : ((انما سلطانہ علی الذین یتولونہ)) شیطان کی حکومت ان لوگوں پر ہے کہ جنہوں نے اس کی سرپرستی کو قبول کیا ہے - قرآن یہاں شیطان کے تسلط کو بہت حد تک محدود کرتا ہے - جن

لوگوں نےاس کی سرپرستی کو قبول کیا ہے ان پر تسلط رکھتا ہے یعنی جن لوگوں نے اس کی ولایت اور سرپرستی کو قبول نہیں کیا اُن پر تسلط نہیں رکھتا ۔

سوال نمبر ۹۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان نے تمام انسانوں کے لئے پھندہ بنایا ہوا ہے ؟

جواب : شیطان کسی جگہ (واقعہ سر زمین نجف سے مربوط ہے) پر بہت سارے پھندے اپنے ساتھ اُٹھائے ہوئے تھا ؛ لیکن پھندے مختلف تھے ۔ بعض پھندے بہت باریک اور نازک ، بہت ہی کمزور سی رسی سے پھندہ بنا ہوا تھا ۔ کچھ چمڑے کے تھے ، کچھ زنجیر سے اور زنجیر بھی مختلف تھیں ، بعض زنجیریں بہت زیادہ موٹی ۔ ان کے درمیان ایک ایسا پھندہ تھا کہ جو بہت زیادہ موٹا اور مضبوط زنجیر تھا کہ تعجب آور تھا ۔اس نے پہلے شیطان سے پوچھا :یہ کیا ہیں ؟ جواب دیا : یہ وہ پھندے ہیں کہ جو میں بنی آدم کی گردن میں ڈال کر انہیں گناہ کی طرف کھینچتا ہوں ، سب سے زیادہ موٹے پھندے نے اس آدمی کی نگاہ اپنی طرف جذب کر لی تو اس نے کہا : یہ کس کے لئے ہے ؟ تو اس نے جواب دیا : یہ ایک بہت موٹی گردن والے آدمی کے لئے ہے ۔ اس نے پوچھا : وہ کون ہے ؟ تو

جواب دیا : شیخ انصاری ۔ اس نے پوچھا : وہ کیوں ؟ تو جواب دیا : کل رات کو میں نے اتفاقاً اس کی گردن میں ڈالا اور اسے اپنے ساتھ چند قدم لے کر آیا لیکن پھر اس نے اسے توڑ دیا ۔ اس نے پھر سوال کیا : ہمارے پھندے کہاں ہیں ؟ تو اس نے جواب دیا کہ تم نے پھندے کیا کرنے ہیں تم تو ویسے ہی میرے پیچھے ہو ۔

سوال نمبر ۹۴ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان انسانوں کو طاقت کے ذریعے سیدھے راستے سے منحرف کرتا ہے ؟

جواب : قرآن کی آیت ہماری تعبیر میں کہتی ہے : رسی ، پھندہ ، جبر جیسی کوئی چیز نہ تھی ((الا ان دعوتکم فاستجبتم لی)) میں نے تو صرف تمہیں پکارا تھا ، تم نے بھی اسے جلدی سے قبول کر لیا ۔ ((فلا تلومونی و لوموا انفسکم)) مجھے بُرا بھلا نہ کہو بلکہ اپنے آپ کو سرزنش کرو ۔ ((ما انا بمصرفکم و ما انتم بمصرفی)) یہاں نہ تو میں تمہارے کام آسکتا ہوں اور نہ ہی تم میرے ۔ اور اس کے بعد طلب کار بھی ہوتا ہے ((انی کفرت بما اشرکتمون)) میں اس بات سے انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا ۔

سوال نمبر ۹۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ شیطان کے بارے میں قرآن کی کیا رائے ہے ؟

جواب : شیطان قرآن کی نگاہ میں ایک ایسا باطنی اور معنوی موجود ہے جس کا کام صرف یہ ہے کہ انسان کو برائی اور شر اور گناہ کی دعوت دے ؛ لیکن یہ دعوت مجبور نہیں کرتی صرف دعوت ہے ، پتہ چلتا ہے کہ مولوی نے کیا اچھا کہا ہے :

از جهان دو بانگ می آید به ضد تا
کدامین را تو باشی مستعد
آن یکی بانگش نشور اتقیا وان
دگر بانگش نفور اشقیا

سوال نمبر ۹۶ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ دنیا میں کتنی طرح کی دعوتیں ہیں ؟

جواب : ہمیشہ دنیا میں دو طرح کی دعوتیں ہیں ۔ ایک طرف سے اچھائی اور نیکی کی دعوت تو دوسری طرف سے شر اور برائی کی دعوت اور یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ ان دونوں دعوتوں میں سے اپنے اختیار کے ساتھ اچھائی اور نیکی والی دعوت کو لبیک کہے ، یہ بات مصداق ہے ((و

هدیناه النجدین)) کی اور ((انا هدیناه السبیل اما شاکرا و اما کفورا)) کی ۔

سوال نمبر ۹۷ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ اچھائی اور برائی کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے ؟

جواب : اگر انسان کے وجود میں نفس امارہ نہ ہوتا اورانسان کے وجود سے باہر نفس امارہ کو الہام بخشنے والی طاقت نہ ہوتی ۔ اگر نفس امارہ نہ ہوتا تو شیطان نہ ہوتا ، اگر شر اور برائی کی دعوت نہ ہوتی تو انسان میں شر اور برائی کی طاقت نہ ہوتی ۔ پھر کوئی اچھائی بھی نہ ہوتی ۔

اگر میرے پاس اپنا سرمایہ ہوتا تو یہ ایک اور بات تھی لیکن میں اپنے چچا کے مال سے زندگی گزار رہا ہوں (اور اس وقت کہ جب میرے چچا کی مالی حالت بھی بہتر نہ تھی) تو مجبور ہوں کہ ایسے ہی رہوں ۔

سوال نمبر ۹۸ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ تقوا کیسے انسان میں معنی پیدا کرتا ہے ؟

اگر قرآن کی یہ تعبیر ((فالھمھا فجورھا و تقویھا)) اس طرح ((فالھمھا و تقویھا)) ہو جائے ، تقوا کا رجحان انسان کے اندر ہو لیکن فسق و فجور کا نہ ہو تو پھر وہ تقوا بھی تقوا نہیں ہو گا ۔

سوال نمبر ۹۹ : برائے مہربانی تقوا کا معنی کیجئے اور فرمائیے کہ انسان کو کس وقت تقوا انتخاب کرنا چاہیے ؟

جواب : تقوا اس وقت تقوا کہلاتا ہے کہ انسان اسے اس وقت انتخاب کرے جب اس کے اندر فسق و فجور اور فسق و فجور کی دعوت کی طرف رجحان ہو ۔ اطاعت کب ہوتی ہے ؟ آپ کہتے ہیں : خدا حکم دے اور ہم اطاعت کریں ، اطاعت اس وقت ہوتی ہے جب ہم یہ قدرت رکھتے ہوں کہ اطاعت کریں یا نہ کریں ؛ لیکن اگر ہم کوئی کام مجبوری کی حالت میں انجام دیں تو یہ پھر اطاعت نہ ہو گی ۔ اطاعت نہیں تو مدح و ذم نہیں ، مدح و ذم نہیں تو ثواب اور عقاب نہیں کوئی شرعی تکلیف نہیں ، کوئی قانون نہیں ، کوئی انسان نہیں ، کچھ بھی نہیں ۔

سوال نمبر ۱۰۰ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ انسان کا دل کتنے کان رکھتا ہے ؟

جواب : اگر شیطان نہ ہو ، اگر برائی کی جانب دعوت نہ ہو تو عمل صالح اور اچھائی بھی نہیں ۔ ہماری احادیث میں آیا ہے کہ انسان کے دل کے دو کان ہیں : ((ان للقلب اذنين)) ایک کان میں ہمیشہ فرشتہ اسے یہ کہتا رہتا ہے کہ آؤ اچھائی کرو جبکہ دوسرے کان میں اسے شیطان کہتا ہے کہ آؤ برے

کام کرو ؛ لیکن وہ خود ہمیشہ ان دونوں صداؤں کے درمیان ہوتا ہے ۔

سوال نمبر ۱۰۱: برائے مہربانی عمل صالح اور نفس امارہ کے بارے میں توضیح بیان فرمائیں ؟

جواب : اگر شیطان اور نفس امارہ موجود نہ ہوں تو عمل صالح بالکل موجود نہیں ہو گا ، اور اگر عمل صالح نہ ہو تو وہ کامیابی کہ جس کا نام عمل صالح کی وجہ سے ہے ، وی بھی نہ ہو گی ۔

سوال نمبر ۱۰۲ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ شیطان میں کون سے رجحانات پائے جاتے ہیں ؟

جواب : صرف ایک سوال باقی بچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ : شیطان کا وجود انسان کی زندگی کے لئے ہے کہ اسی انسان کی زندگی نے اسے ملائکہ کی دنیا سے جدا کیا ، انسان کی کامیابی کے لئے اور اس لئے کہ انسان اپنے اختیار سے اس راستہ کو طی کرے ، لیکن شیطان خود اپنے وجود کے لئے کیسا ہے ؟ ایک ایسا مطلب ہے کہ قرآن نے جس کے بارے میں توضیح نہیں دی اور شاید توضیح دینے کے قابل نہ ہو ، وہ یہ ہے کہ : قرآن کہتا ہے کہ شیطان کی طبیعت آگ کی طبیعت ہے ((خلقتنی من نار و خلقتہ من طین)) اور کہتا ہے

کہ شیطان انسان کی طرح نہیں کہ اس کے اندر طرح طرح کے رجحانات ہوں ۔ اس میں صرف ایک رجحان ہے کہ جو شہوات کے مسائل سے مربوط ہے اور وہی کہ جسے ہم برائی کہتے ہیں اور برائی بھی ایسی کہ کوئی اور چیز اس کے اندر نہیں ۔

سوال نمبر۱۰۳ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان بھی جہنم میں عذاب پائے گا اور اس کی ہمیشگی جگہ وہاں ہی ہے یا نہیں ؟

جواب : شیطان اپنی اصل سے کہ جو جہنم ہے ملحق ہو جائے گا کیا وہ جہنم میں ایسے ہی عذاب پائے گا جیسے اگر ایک انسان جہنم میں جائے تو عذاب پاتا ہے یا اس کی جنت وہیں ہے ؟ یہ ایک دوسرا راز ہے کہ جو کہتا ہے ((انی کفرت بما اشرکتمون)) وہ ایک اور چیز ہے ۔

سوال نمبر ۱۰۴ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان خداوند کو جانتا ہے اور کیا وہ انسانوں کو بھلائی اور نیکی کی دعوت کرتا ہے ؟

جوا ب : مولوی نے ایک بہت عجیب کہانی ذکر کی ہے (شیطان اور معاویہ کی کہانی) اور بڑی مزے کی کہانی ہے

۔ وہ کہتا ہے کہ معاویہ سویا ہوا تھا ، ایک وقت شیطان آیا اور اسے جگایا اور کہا نماز قضا ہو رہی ہے ، اٹھو اور اپنی نماز پڑھو ! معاویہ نے کہا تم کیوں نماز کی طرف دعوت کر رہے ہو ؟ (کہانی بہت لمبی ہے ۔ لیکن آخر میں معاویہ کی ہار پر ختم ہوتی ہے)

شیطان نے کہا :

تم نے تو ابھی خدا کو پہچانا ہے ، ہم قدیم سے جانتے ہیں :

ما هم از مستان این می بوده ایم ساکنان
درگہ وی بوده ایم

آب رحمت خورده ایم اندر بهار روز نیکو
دیده ایم از روزگار

سوال نمبر ۱۰۵ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ شیطان کہ جو ایک فرشتہ ہے کا دوسرے ملائکہ سے کیا فرق ہے ؟

جوا ب : اصولاً روایات میں جو شیطان کی تعریف سنی ہے ، کہتے ہیں کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور عادتاً فرشتہ ارادہ نہیں رکھتا یعنی گناہ کرنے کا امکان نہیں رکھتا ، اسی وجہ سے تکامل بھی نہیں پاتا ۔ اس کے باوجود کیسے شیطان کے لئے یہ امکان فراہم ہوا کہ خدا کے فرمان سے سرکشی کرے اور آدم کو سجدہ نہ کرے ؟

استاد : یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ شیطان ملائکہ میں سے تھا ، قرآن کی نص کے خلاف ہے کہ جو فرماتا ہے ((کان من الجن ففسق عن امر ربہ)) اور میں نے بھی اپنی تعبیرات میں یہ کہا کہ وہ ملائکہ کی صف میں تھا یہ نہیں کہا کہ وہ ملائکہ میں سے تھا ۔ قرآن فرماتا ہے : ((کان من الجن)) اور شیطان کے بارے میں یہ تعبیر بھی ذکر ہوئی ہے کہ وہ آگ سے خلق ہوا ہے جبکہ ملائکہ کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ۔

سوال نمبر ۱۰۶ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ مقرب ملائکہ کون ہیں ؟

جواب : اس کے بارے میں کہ جو آپ نے فرمایا کہ ملائکہ میں اچھے کاموں کا امکان ہے لیکن برے کاموں کا امکان نہیں ، (لازم ہے کہ کہا جائے) ملائکہ مختلف ہیں ، ملائکہ میں سے بعض مقرب ملائکہ ہیں یا فلسفی اصطلاح میں جنہیں مجرد سمجھا جاتا ہے لیکن جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ اس بات کو نقلی منابع سے لینا ہو گا کوئی عقلی اور فلسفی دلیل نہیں ، لیکن جو سمجھا جا سکتا ہے اس طرح ہے کہ جیسے حضرت علی فرماتے ہیں : کچھ ملائکہ ایسے ہیں کہ ((سجود لا یرکعون لا ینتصبون)) یہ اس وقت سے

کہ جس سے خداوند نے انہیں پیدا کیا ہے نہیں جانتے کہ ان کے علاوہ کوئی اور مخلوق بھی ہے یا نہیں اور خدا میں اس طرح غرق ہیں کہ پروردگار کے علاوہ ہر چیز سے غافل ہیں لیکن سارے ملائکہ ایسے نہیں ہیں ۔

سوال نمبر ۱۰۷ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا ملائکہ نامرئی(نہ دیکھے جانے والے) ہیں یا انسانوں کی طرح ہیں ؟

جواب : ملائکہ میں سے بعض کو احادیث اور اخبار میں ذمی کا نام دیا گیا ہے کہ جو نامرئی ہیں لیکن شاید انسان کے بہت مشابہ ۔ یعنی تکلیف قبول کرتے ہیں اور بعض اوقات نافرمانی کرتے ہیں ان کی حقیقت ہمارے لئے واضح نہیں اور جیسے کہ بعض روایات میں بعض ملائکہ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور عذاب میں مبتلا ہوئے ۔ پس ملائکہ کے بارے میں کلی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس طرح ہیں ۔

سوال نمبر ۱۰۸ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ شیطان انسان پر کیسے تسلط پا سکتا ہے ؟

جواب : شیطان جیسے کہ قرآن اس کی تعریف کرتا ہےکہ ایک ایسا موجود ہے کہ جو باطن سے انسان پر تسلط رکھتا

ہے یعنی اصطلاح میں ہمارے طول میں ہے نہ ہمارے عرض میں ، یعنی وہی شہوانی خواہشات کہ جو آپ نے کہے ہیں کہ ہم رکھتے ہیں ان سے ہٹ کر شیطان کوئی اور چیز نہیں رکھتا لیکن وہی غرایز شیطان کی جانب سے آتے ہیں ۔ میں نے اپنی تعبیر میں یوں کہا تھا : وہ منبع کہ جس منبع سے یہ آتے ہیں ۔ ایسے نہیں کہ برائی اور فساد میں پڑنے کے لئے دو عوامل ہوں : ایک عامل خود ہماری ہوای نفسانی ، اور دوسرا عامل شیطان کہ ہم کہیں گے ایک عامل ہی کافی تھا ، تو پھر یہ دوسرا عامل کیوں آ گیا ؟

اور نہ ہمارے اچھے کاموں میں ایسا ہے (یعنی اچھائی کے الہامات جو ہمارے اندر ہیں) ملائکہ ان اچھائی کے رجحانات کے مقابلہ میں دوسرا عامل نہیں ہیں ، یعنی وہ ایسا منبع ہیں کہ جس سے یہ الہامات پیدا ہوتے ہیں (شیطان بھی برائی کے الہامات کے مقابلہ میں دوسرا عامل نہیں) ۔

سوال نمبر ۱۰۹ : برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ کیا شیطان لشکر یا اولاد رکھتا ہے ؟

جواب : شیطان کا لشکر یہی نفسانی خواہشات ہیں قرآن فرماتا ہے : ((انہ یریکم ھو و قبیلہ)) شیطان اور اس کا قبیل (کہ جو تقریباً اس کے قبیلہ کا معنی دیتا ہے) تمہیں دیکھ رہے

ہیں ۔ اور بعض جگہوں پر ذریہ (اولاد) کی تعبیر بھی آئی ہے البتہ ہر چیز کی اولاد اس کے تناسب سے ہے (وہ چیزیں کہ جو اس کی مولود ہیں) اور ((اعوان ، مددگار)) کا معنی بھی قرآن میں آیا ہے قرآن فرماتا ہے کہ : ((قل اعوذ برب الناس ، ملک الناس ، الہ الناس ، من شر الوسواس الخناس ، الذی یوسوس فی صدور الناس ، من الجنۃ والناس)) اس جگہ میں بعض لوگ بھی شیطان کے مدد گاروں میں شمار ہوئے ہیں ۔

سوال نمبر ۱۱۰ ۔ برائے مہربانی یہ فرمائیے کہ عالم میں ہر چیز کس بنیاد پر خلق ہوئی ہے ؟

جواب : کائنات میں ہر چیز نیکی اور بھلائی کی بنیاد پر خلق ہوئی ہے ۔ جو ہے وہ اشیاء کی خصوصیات اور ایجادات پر ہے کہ انسان اور اشیاء کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ خلقت ، حقیقت میں انسان کے لئے ہے اور قرآن کی نگاہ میں موجودات انسان کی ہدایت کی تکمیل کے لئے خلق ہوئی ہیں ، اس وجہ سے انسان بہت زیادہ امتحان کے میدان میں ہے ۔ وہی مثال بارش کے پانی کی ہے کہ جو آپ نے کہا کہ قرآن نے فرمایا ہے ، یہ سارا پانی خالص ہوتا ہے اور ہر کوئی اپنی ظرفیت کے مطابق اس سے مستفید ہوتا ہے ۔ اور

جسکا جتنا ظرف ہوتا ہے اسی قدر وہ منازل کمال کو طے کر لیتا ہے ۔

معروضی سوالات

١ ۔ خدا سے ڈرنا یعنی کیا ؟

الف ۔ خدا کی ذات سے ڈرنا

ب ۔ خدا کے عذاب سے ڈرنا

ج ۔ عدل الہی سے ڈرنا

د ۔ تمام موارد

٢ ۔ نفس کا بچانا اس چیز سے کہ جو اسے گناہ کی طرف کھینچے سے کیا مراد ہے ؟

الف ۔ تقوا ب ۔ ورع

ج ۔ اچھے کام کرنا د ۔ تمام موارد

٣ ۔ عقلی اور انسانی زندگی کا لازمہ کیا ہے ؟

الف ۔ معین اصول کی پیروی کرے

ب ۔ ہوا و ہوس سے دور رہے

ج ۔ گناہ سے دور رہے   د ۔ تمام موار

۴ ۔ سرکش نفس کو مطیع کرنے کے لئے کون سے آلات ضروری ہیں ؟

الف ۔ اچھے کام کرنا   ب ۔ تقوا

ج ۔ پرہیز   د ۔ سچائی

۵ ۔ تقوا نہج البلاغہ میں کس چیز سے تشبیہ دیا گیا ہے ؟

الف ۔ ڈھال   ب ۔ حمایت

ج ۔ جنت کا راستہ   د ۔ تقرب

۶ ۔ تقوا کس کا لازمہ ہے ؟

الف ۔ دینداری   ب ۔ انسانیت

ج ۔ حیوانی زندگی

د ۔ انسانی زندگی

۷ ۔ تقوا کن بنیادوں پر استوار ہے ؟

الف ۔ پرہیز گاری

ب ۔ دین

ج ۔ سنت   د ۔ قرآن

۸ ۔ حضرت علی   نے تقوا کو کس چیز کے ساتھ تعبیر کیا ہے ؟

الف ۔ دوستی کی چابی   ب ۔ ہر قید اور ہر دشمن سے آزادی

ج ۔ ہر بدبختی سے نجات

د ۔ تمام موارد

۹ ۔ تقوا قرآن میں کس چیز کے ساتھ تعبیر ہوا ہے ؟

الف ۔ لباس

ب ۔ زرہ

ج ۔تلوار   د ۔ نیزہ

۱۰ ۔ انسان کس راستہ سے اپنے ہدف تک پہنچتا ہے ؟

الف ۔ خدا   ب ۔ ایمان

ج ۔ تقوا   د ۔ سیدھا

۱۱ ۔ تقوا کس چیز کا ضامن ہے ؟

الف ۔ گناہان ب ۔

انسان

ج ۔ جنت د ۔

نیک اخلاق

۱۲ ۔ متقی انسان کون سی روح رکھتا ہے ؟

الف ۔ مطمئن

ب ۔ آرام

ج ۔ سالم

د ۔ تمام موارد

۱۳ ۔ حسادت کے اسباب میں سے ایک کیا ہے ؟

الف ۔ برا اخلاق ب ۔

خود پسندی

ج ۔ جھوٹ د

۔ ظلم

۱۴ ۔ عقل نظری کن علوم کی بنیاد ہے ؟

الف ۔ فیزکس

ب ۔ ریاضی

ج ۔ الٰہی فلسفہ   د

۔ تمام موارد

۱۵ ۔ چاہیے اور نہ چاہیے کن چیزوں سے وجود میں آتے ہیں ؟

الف ۔ عقل عملی

ب ۔ حکمت عملی

ج ۔ عقل نظری

د ۔ حکمت نظری

۱۶ ۔ کون سی چیزیں عقل کی کمزوری کا سبب بنتی ہیں ؟

الف ۔ ہوا وہوس

ب ۔ ظلم و ستم

ج ۔ جھوٹ

د ۔ تمام موارد

۱۷ ۔ کون سی چیز انسان کی حقیقی دوست ہے ؟

الف ۔ اس کا عقل

ب ۔ اس کی حکمت

ج ۔ اس کی اچھائی

د ۔ اس کا تقوا

۱۸ ۔ فتنے کیا ہیں ؟

الف ۔ اخلاقی مشکلات

ب ۔ اجتماعی مشکلات

ج ۔ مذہبی مشکلات   د ۔ الف اور

ب صحیح ہیں

۱۹ ۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر کا لازمہ کیا ہے ؟

الف ۔ بہادری

ب ۔ دلیری

ج ۔ بندوں کا قیام

د ۔ تمام موارد

۲۰ ۔ کس نے امر بہ معروف اور نہی از منکر کو ایک بھولی ہوئی اصل سمجھا ہے ؟

الف ۔ استاد مطہری

ب ۔ آقای آیتی

ج ۔ آیت اللہ بہشتی

د ۔ شہید با ہنر

۲۱ ۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر کی پہلی شرط کیا ہے ؟

الف ۔ اخلاص ب ۔ سچائی

ج ۔ شجاعت د ۔ ایمان اور یقین

۲۲ ۔ علم کس چیز میں منحصر ہے ؟

الف ۔ قرآن کا یاد کرنا ب ۔ احادیث رسول کا یاد کرنا

ج ۔ علوم عقلی کا یاد کرنا د ۔ الف و ب ٹھیک ہے

۲۳ ۔ جہاد مقدس کن لوگوں پر واجب ہے ؟

الف ۔ فرہنگیان ب ۔ مسئولان

ج ۔ رزمندگان د ۔ تمام مسلمان

۲۴ ۔ کون سی چیزیں معاشرہ کی سلامتی کی ضامن ہیں ؟

الف ۔ علم ب ۔ دین

ج ۔ علم اور دین د ۔ علم اور دین اور ایمان

۲۵ ۔ کون لوگ روحوں اور دلوں کے مالک بن سکتے ہیں ؟

الف ۔ جو لوگوں کو جہالت سے دور کریں

ب ۔ جو عدالت کی رعایت کریں

ج ۔ جو سرحدوں کی حفاظت کریں

د ۔ جو زیادہ علم رکھتے ہوں